کلیاتِ شیفتہ و حسرتیؔ

جس میں

دیوان ریختہ و دیوان فارسی و رقعات فارسی شامل ہیں

از تصنیفات جناب نواب محمد مصطفیٰ خان [illegible] شیفتہ

[illegible] حسرتی و شیفتہ

مع دیباچہ و سوانح عمری مصنف

از خاکسار نظامی بدایونی

حسب فرمائش جناب نواب حاجی محمد اسحاق خان صاحب بہادر [illegible]

[illegible] سکریٹری ایم اے او کالج علیگڑھ [illegible]

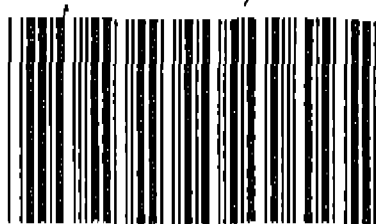
[illegible] خلف الصدق حضرت مصنف [illegible]

باہتمام نظام الدین حسین نظامی پروپرائٹر و مہتمم

نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۱۶ء

Hasan



حضرت شیفتہ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲

جس طرح زمانے کی ہوا پلٹ جانے سے ملک کے لوگوں کے خیالات خصائل، عادات، مشاغل، طریق بود و ماند، لباس و خوراک میں تغیر واقع ہو گیا ہے اسی طرح ان کا علمی مذاق بھی بدل گیا ہے تیرھویں صدی کے وسط میں۔ اُردو اور فارسی ادب میں جن لوگوں نے چار چاند لگائے تھے آج اُن کے کلام کے سمجھنے والے بھی نظر نہیں آتے ذوق، غالب، مومن، صہبائی، علوی، آزردہ، حسرتی اُن باکمال لوگوں میں ہوئے ہیں کہ جن پر آج ہندوستان جسقدر فخر کرے کم ہے اور اب اس گئے گزرے زمانہ میں اِن بزرگوں کا نام زندہ رکھنے والے حالی اور شبلی باقی تھے وہ بھی ایک ایک کر کے دُنیا سے اُٹھ گئے لیکن بغور دیکھا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات جاوید حاصل ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم [۱] ✤ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شان

[۱] ایک موقع پر خواجہ حافظ کے اس شعر کو سید مرحوم نے کچھ تصرف کے ساتھ لکھا تھا ہم نے بھی انھیں کا تتبع کیا ہے ۱۲

اُن کا کلام جو اعلیٰ اخلاق اور سچّے جذبات سے پُر ہے جس سے ان کے دل و دماغ کے صحیح ہونے کا پتا چلتا ہے اور اُن کی بلند نظری اور خوض و فکر وغیرہ کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت بھی ملک کے لیے ویسا ہی سرمایہ افتخار ہے جیسا کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد جو دیوان آپ کی نظر سے گزرے گا وہ جناب غفراں مآب نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلندشہر (المتخلص بہ شیفتہ بہ اُردو و حسرتی بہ فارسی) کا کلیات ہے جس کی اشاعت کا فخر ہمیں نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید عالی جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ و آنریری سکرٹری ایم اے او کالج علی گڑھ کی کرم گستری و اجازت سے حاصل ہوا ہے۔ چونکہ کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اُس کی زندگی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ایک حد تک ضروری ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور کے حالات زندگی اس موقع پر مختصراً درج کریں۔

خاندان

نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضےٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے فرزند تھے۔ اور نواب دلی داد خاں

مرحوم خاندان بنگش سے تھے جبکہ دہلی میں خاندان بنگش کا عروج تھا وہ کوہاٹ سے دہلی تشریف لائے اور اپنے صاحبزادہ نواب مرتضےٰ خاں صاحب کی شادی اُس زمانہ کے مشہور سپہ سالار اسمعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحبزادی نواب اکبری بیگم صاحبہ سے کی۔ اور جو فوج مرھٹوں سے اُس وقت برسرپیکار تھی اُس میں عہدہ دار ہوئے۔

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ اُس وقت نواب مرتضیٰ خاں صاحب کو لارڈ موصوف نے دہلی کے قریب ہوڈل پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے منجملہ اُن کے نواب مرتضیٰ خاں صاحب بھی تھے۔

۱۸۱۴ء میں نواب ممدوح نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھودس رائے کی ملکیت تھا اور بعلّت عدم ادائے مالگذاری نیلام ہوا خرید لیا اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد ہوڈل پلول کے علاقہ کو گورنمنٹ نے واپس لے لیا اور اُس کے عوض میں اراکین خاندان کی پنشن مقرر کر دی جو غدر ۱۸۵۷ء تک جاری رہی۔

نواب مرتضیٰ خاں صاحب نے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنی حیات میں صاحبزادہ

مصطفیٰ خاں کے نام منتقل کر دیا تھا جو اُن کے بعد اُن کی اولاد کی ملکیت میں آیا اور اس وقت تک قائم و برقرار ہے۔

ولادت

نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب کی ولادت ۱۸۰۶ء میں بمقام دہلی ہوئی۔

تعلیم و تربیت

میاں جی مالا مال[۵۱] سے جو دہلی کے ایک مشہور بزرگ اور سربرآوردہ معلمین میں تھے فارسی، عربی پڑھی اور علوم مروجہ حاصل کیے۔

حضرت مولانا حاجی محمد نور دہلوی نقشبندی[۵۲] سے بھی جو جامع علوم ظاہر و باطن تھے خاصکر فن حدیث و تجوید میں اُس وقت اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا آپ نے حدیث و قرات سنن کا استفادہ حاصل کیا۔ علوم دین سے آپ کو ایسا شوق و شغف تھا کہ طلب کی تشنگی کسی وقت فرو نہ ہوتی تھی۔

۱۲۵۵ھ میں جب کہ آپ کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی مکہ معظمہ

---

[۵۱] میاں جی صاحب کا مزار دہلی میں حضرت سلطان الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں نواب صاحب کے سرہانے ایک چھوٹے چبوترہ پر واقع ہے۔

[۵۲] حاجی محمد نور صاحب کا مزار سورت میں ہی جب آپ دوبارہ بارادہ حج جا رہے تھے راستہ میں بمقام سورت شعبان ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا۔

کے فاضل اجل عالم باعمل حضرت شیخ عبداللہ سراج حنفی سے آپ نے صحاح کے
ابتدائی حصے تبرکاً پڑھے تھے جبتک مکہ معظمہ میں قیام رہا آپ برابر اُن سے فیض
حاصل کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد عابد صاحب سندھی سے اکثر حدیث
کی کتابوں کے خاص خاص مقامات پڑھے اور روایت کرنے کی اجازت حاصل
کی۔ ان کے علاوہ مولوی کرم اللہ[۱] صاحب محدث علیہ الرحمہ سے جو خلیفہ حضرت
شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہ کے تھے آپ نے کچھ علوم پڑھے تھے۔

عادات وخصائل وطریق ماندوبود نواب صاحب[۲] مرحوم رات کو باختلاف موسم دو بجے
سے ۳ بجے تک تہجّد کے واسطے بیدار ہوتے تھے اور نماز تہجّد اور صبح کے درمیان
مسنون قیلولہ کے بعد صبح کی نماز مسجد میں جاکر سفر ہو یا حضر اول جماعت کے ساتھ
ادا کرتے تھے اور اکثر مسجد سے واپس آکر اشراق تک وظائف واذکار ختم کرتے

---

۱ از ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین مصنفہ حضرت مولانا شاہ محمد معصوم صاحب مجدّدی
مقیم مدینہ شریف ۱۲

۲ یہ حالات ہیں مولانا ذکی صاحب سے جنکا قیام رامپور تھا اُن ستمبر ۱۹۱۵ء میں اُن سے ملاقات کا فخر حاصل ہوا تھا دستیاب ہوئے
مولانا موصوف کو ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۹ء تک نواب صاحب کی خدمت میں مسلسل رہنے کا اتفاق ہوا تھا ۱۲

کے بعد متعلقین سے ملتے تھے دس بجے کھانا تناول فرما کر قدرے قیلولہ فرماتے تھے اسی کے بعد ظہر سے پہلے پہلے حدیث شریف یا تصوف یا سیر کی کسی کتاب کا مطالعہ بھی فرما لیتے تھے۔ اول وقت ظہر کی نماز مسجد میں جا کر جماعت والے کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح عصر و مغرب کی نمازیں اول وقت ادا فرماتے تھے عشا کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول کر کے بلا فصل استراحت فرماتے تھے بیماری کی حالت میں جبکہ راتوں کو نیند کم آتی تھی دیگر امرا کی طرح داستان یا قصے نہیں سنتے تھے بلکہ کسی کتاب سے حمد و نعت مناجات یا منقبت اہل بیت پڑھوا کر سنتے اور سو جاتے۔

عصر اور مغرب کے درمیان مصاحبین و اکابر مہمانوں سے جو آپ کی مہمان نوازی کے سبب اکثر موجود رہتے تھے صحبت رہتی تھی۔ مصاحبت میں مولانا حالی مرحوم جیسے لوگ ہم صحبت تھے۔ نواب مرحوم اسقدر کم گو تھے کہ ابتدا ءِ ملاقات میں نئے آدمی کو خود داری کا گمان ہوتا تھا لیکن اُن کے جلسہ میں کسی ادنے یا اعلے کی غیبت کا گزر نہ تھا اُن کی صحبت متین اور مہذّب ظرافت اور لطیفوں سے خالی نہ تھی یعنی زہد خشک سے جو ریا کے درجہ تک پہنچتا ہے بری تھی دینی و دنیوی جوبات تھی بناوٹ اور تصنّع سے کوسوں دور تھی۔

نواب صاحب کا اصول تھا کہ تمام خطوط کا جواب فوراً دیا جائے چنانچہ جو خطوط آپ کے پاس آتے تھے اُن کا جواب ہمروزہ لکھوا دیتے تھے جس زبان میں خطوط آتے تھے اُسی زبان میں جواب لکھواتے فارسی خطوط کا جواب فارسی میں اُردو خطوط کا اُردو میں جواب دیتے تھے۔ آپ اپنے پیش دست کو عبارت خطوط کی خود نہیں لکھواتے تھے بلکہ وہ خط لکھکر پیش کرتا آپ اس کی اصلاح فرما دیتے تھے اصلاح کے بعد خطوط صاف کیے جاتے تھے۔ ایک زمانہ تک خطوط نویسی کا کام نواب صاحب اپنے بڑے صاحبزادہ نواب محمد علی خاں صاحب سے لیتے رہے جس سے صرف اُنکی تربیت و تعلیم مقصود تھی مولانا فرخی صاحب نے بھی جب مولانا موصوف جہانگیر آباد میں طالب علمی کے زمانہ میں موجود تھے نواب صاحب کی اِس خدمت کو انجام دیا ہے۔ مولانائے موصوف فرماتے تھے کہ "نواب صاحب مرحوم ہمارے لکھے ہوئے خطوط کی اصلاح میں محاورات زبان اور املا کا بے حد خیال فرماتے تھے یہاں تک کہ اگر کبھی میں لفظ "تم نے" کو ملاکر تمنے لکھدیتا تو اُس کو کاٹ کر "تم نے" لکھدیتے" گویا آپ ہر لفظ کو علیحدہ علیحدہ لکھنے کے حامی تھے اور اُردو املا کے اس رسم خط کی ضرورت کو جسے آج کے مصلحان اُردو رائج

کرنا چاہتے ہیں آپ آج سے پچاس برس پہلے محسوس کر چکے تھے۔
نواب صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا قلم کاغذ کیسا ہی خراب ہو مگر معلوم ہوتا تھا کہ مینا کیا ہوا ہے۔ باوجود خوشخط ہونے کے اپنے ہاتھ سے قلم نہیں بناتے تھے۔

جوانی میں آپ کو گھوڑے کی سواری کا بہت شوق تھا۔ پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی اسی شوق کے یادگار کے طور پر ان کا اصطبل گھوڑوں سے معمور رہتا تھا۔

بزرگوں سے عقیدت وبیعت

سب سے پہلے قدوۃ الاصفیا شیخ الفقہا سید المحدثین مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے جو شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ العزیز کے نواسے اور دہلی کے مشہور محدث اور اکابر شیوخ سے تھے بیعت کی۔
ان کے وصال کے بعد شاہ ابو سعید صاحب اور شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سجادہ نشین حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فیوض باطنی کرتے رہے۔ آخر میں حضرت شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز سے تجدید بیعت فرمائی۔ شاہ صاحب نے آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سند خلافت بھی

عطا کی تھی۔ شاہ صاحب موصوف اُن کو اپنے خلفائے[۵۱] اجل سے سمجھتے تھے اور
اپنے مریدین کو تکمیل کے واسطے نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔
نواب صاحب شب و روز مجاہدے اور ریاضت میں بسر کرتے تھے آپ کا
کشفِ قبور اُس وقت مشہور تھا اور نسبت زبردست تھی۔ مولانا ولی النبی
صاحب رامپوری جو خاندان نقشبندیہ کے صاحب کمال بزرگ تھے فرماتے

---

۵۱ شاہ صاحب کا مندرجہ ذیل خط قابل ملاحظہ ہے
بسم اللہ الرحمن الرحیم از عبد الغنی عمیم الاحسان نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب۔ سلام مطالعہ فرمایند۔
تا شانزدہم محرم الحمد للہ بخیر ہستم و سلامتی ایشاں مطلوب بیشتر پیشتر بدست مومن علی خاں مکتوب فرستادہ ام امید کہ
دعا در حق فقیر مبذول فرمودہ باشند۔ میاں اسد اللہ داخل طریقہ شدہ اند امید کہ بحال ایشاں عنایت مبذول دارند
والسلام۔ فرزند عزیزہ مع فرزندان سلام برسد میاں عزیز و میاں رشید سلام خوانند۔
ایک دوسرا خط جو حضرت احمد جان صاحب دہلوی برادر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے نام
شاہ صاحب نے بھیجا تھا جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے تعلقات نواب صاحب کے ساتھ کس درجہ کے تھے وہ خط یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از عبد الغنی
برادر عزیز جان علیم اللہ خاں المشتہر بمیاں احمد خاں سلام خوانند و مکتوب آں مکرم فی الحال در مکہ معظمہ رسید و نامہ
مطالعہ او فرحت و حظ تام حاصل گشت الحمد للہ فقیر تا کتابت بخیر ہست و خیریت شما از مصائب دارین مطلوب۔ بحرمت
سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین از رحلت نواب مصطفیٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ عزوجل چہ دو قہا بر دل
ناتواں رسیدند من از چشم تمای ساقی خراب افتادہ ام ÷ اما بلاے کہ حبیب آید ہزارش مرحبا گفتم۔
اماشا اللہ تعالیٰ و ایاکم فی حیہ و احیانا و ایاکم فی ودہ۔ چنانچہ از طرف اوشاں وصی بر اہل و عیال شہید از طرف من
نیز شما وکیل ہستید۔ وکفی باللہ وکیلا۔ عیال اوشاں را عیال من شمارید و ذوقہا از صحبت اوشاں بر شنیدید و شوقہا از
مجلس شاں برخاستید۔ سیر گل سیر ندیدند و بہار آخر شد۔ از کیفیت ہائے خولیش نوشتید بسیارے
محظوظ شدم۔ چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ÷ بیاد آر حریفان بادہ پیما را۔
مجددیا۔ دلی با اہل خیر است از وے چہ توقع خیر است در حق کہ با اہل بہ کہتر است نفس ابار از وے بہتر است بلند نفس باشد خبیس بہل
نہ تمام بہدر نسبتی مجدد نقشبندیہ اگرچہ قلیل باشد قلیل نیست کہ مقتبس از مشکوٰۃ سنت نبوی است و سنت محبوبا
فخر ما گشتہ ما در کمیں جلوے حبیب نشستہ ایم ÷ گوطا قتے کہ گرد فشاند بدام ما۔ والسلام
تمر مدینہ ہمراہ مکتوب نواب محمد علی خاں در جہانگیر آباد فرستادہ ام (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دہلی پہنچنے کی اطلاع نواب صاحب کو خط کسی ذریعہ سے دی مگر اتفاق سے وہ خط کے پہنچنے سے پیشتر پہنچ گئے اور خط نواب صاحب کو ان کی موجودگی میں ملا۔ قبل اس کے کہ خط کو کھولیں یا پڑھیں اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ "کیا آپ کو بھی اس وقت نسبت نقشبندیہ کی کچھ خوشبو آتی ہے۔ میرا دماغ تو اس خوشبو سے مالامال ہو گیا ہے"

مولانا حالی مرحوم کی زبانی نقل ہے کہ ایک بار نواب صاحب مولانا شاہ غوث علی پانی پتی کی زیارت کو پانی پت تشریف لے گئے۔ چند روز مولانا سے اوقات خاص میں صحبت رہی۔ وقت مراجعت و رخصت مولانا نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کا ہاتھ ذرا زور سے دبایا۔ اسی طرح تین بار مصافحہ کیا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ ہر بار میرے قلب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جو بیان میں نہیں آسکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اگر حصہ خود بیابند بہتر ہیں تا بیابند و تصحیح با اگر میاں ناصر وزیر بدہند در میان خود و میر عبدالرحمان و میر عوض علی و مولوی ولی النبی صاحب و ہمشیرہ عزیزہ اہل خانہ میاں امو جان غفر اللہ لہ تقسیم نمایند فلوس در مکتوب نوشتند تا ہنوز نرسید الخ - از عبدالرحمن شاہ اسمعیل و ہمشیرہ با خواہند ہمہ با سلام - تمام شد

مذہب کا احترام اور شرعی پابندی

آپ نہ صرف صوفی باصفا تھے بلکہ عالم باعمل تھے۔ اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کبھی کسی شرعی مسئلہ میں توجیہہ و تاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں آپ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :-

"ہم نے خود دیکھا ہے کہ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گرو تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اُس کو چھڑانا چاہا۔ ہر چند کہ رہن نامہ میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف و مباح کر دیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک بخوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتوے دیا تھا لیکن اُس مرحوم مغفور نے یہ حدیث پڑھی کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ اور جس قدر محاصل اُس موضع سے وصول ہوا تھا زر رہن میں سے سب مجرا دیکر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ یہ بات دہلی میں آج تک مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ اس احتیاط کے سبب کہ آموں کی فصل قبل پھل آنے کے عموماً فروخت ہو جاتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے کبھی آم نہیں کھاتے

تھے - نواب صاحب نے اپنے علاقہ میں سختی سے اس شرعی احتیاط کو قائم رکھا تھا کہ جب تک کہ پورے طور پر پھل نہ آ جائے اُس وقت تک فصل فروخت نہ کی جائے چنانچہ اب تک وہ قاعدہ جاری ہی - اسی وجہ سے شاہ صاحب ہمیشہ جہانگیر آباد کا آم بغیر کسی عذر کے کھایا کرتے تھے -

ورع و تقوے

جن ایام میں نواب صاحب باشتباہ بغاوت قید و بند میں مبتلا تھے ایک وصیت نامہ بنام مہین فرزند محمد علی خاں صاحب وغیرہم تحریر فرما دیا تھا اُس میں بنظر انتظام جملہ متعلقین و متوسلین کے لیے مقدار مصارف بالتفصیل معین کر دی تھی - دیون کے ادا کرنے کی تاکید تھی - بعد وفات قضا روزوں کے کفارہ ادا کرنے کی ہدایت تھی - ان وصایا کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ آپ احکام شرعی کی بجا آوری میں کیسے راسخ اور ثابت قدم تھے اور خدا کی ذات پر کسقدر بھروسہ رکھتے تھے - آپ نے اس وصیت نامہ میں منجملہ دیگر امور کے رمضان شریف کے روزوں کے قضا کا حساب اور اس کے کفارہ کے ادا کی تاکید جن الفاظ میں لکھی ہے وہ یہ ہیں

"میرے اوپر رمضان شریف کے روزے ہیں خوب یاد نہیں مگر احتیاطاً دس رمضان کے لکھ لینا جس کے دس مہینے ہوے ہر روزہ کی بابت ایک شخص

مسلمان کو دو سیر گندم چاہئیں جس کے مہینہ کے ڈیڑھ من ہوئے تو دس مہینے کے پندرہ من ہوئے ان کا دینا ضرور ہے مگر میری موت کے بعد کس واسطے کہ زندگی میں یہ کفّارہ ادا نہیں ہوتا پس جب میری موت کا حال سُن لو جو شخص اُس وقت میں زندہ ہو وہ پندرہ من گیہوں کہ ایک ایک فقیر کو دو دو سیر گیہوں دے۔"

سفرِ حجاز نواب صاحب نے یہ مبارک سفر [۱] ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو شروع کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ اور چند متوسلین ہمراہ تھے۔ بمبئی تک منزل بمنزل خشکی کا راستہ طے کیا اثنا راہ میں اکثر بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کا موقعہ ملا اور اکثر اہل اللہ سے قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل آپ نے اپنے سفرنامہ میں لکھی ہے۔ جس کا فارسی نام بہرہ آورد اور عربی میں ترغیب السالک الی احسن المسالک ہے جو اُن کی حیات میں طبع ہو چکا تھا ان تاگزیر مشکلات

[۱] آپ نے اپنا سفرنامہ جو در اصل اس مقدس سفر کا تاریخی روزنامچہ ہے نہایت تفصیل کے ساتھ شستہ رسی میں مرتب فرمایا تھا۔ جس کا عربی نام ترغیب السالک الی احسن المسالک اور فارسی بہرہ آورد" ہے۔ آپ کی رگی میں شائع ہو گیا تھا۔ منشا ۱۹۱۱ء میں اُس کا اُردو ترجمہ سید زین العابدین صاحب بی۔ اے منصرم السنہ جی فرخ آباد نے شائع کیا جس کا نام سراج منیر ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ نواب صاحب کی دیگر تصانیف کے سلسلہ میں اس کتاب کا ذکر بھی ملاحظہ ہو۔

کے علاوہ جو ۱۸۵۷ء سے قبل برّی و بحری سفر میں حجاج کو پیش آیا کرتی تھیں نواب صاحب مرحوم کو ایک ہولناک واقعہ پیش آیا کہ حدیدہ سے آگے چلکر جہاز چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور مسافر کشتیوں کے ذریعہ سے ایک ویران جزیرے میں اُتار دیے گئے۔ جہاز میں سے سامان خوراک بھی کم ملا اور آب شیریں کے صرف آٹھ پیپے ہاتھ آئے اور ہمراہی دو سو سے زائد تھے۔ ایک ایک پیالہ پانی ہر شخص کو صبح و شام پینے کے لیے ملتا تھا۔ چار دن کے بعد سب کے مشورے سے نو آدمی ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھکر ساحل کی تلاش میں روانہ ہوئے وہ سات روز کے بعد ساحل بحر کی ایک بستی میں پہنچے اور اپنے قافلہ کی مصیبت بیان کی وہاں کے حاکم نے سات کشتیاں مصیبت زدوں کی امداد کے لیے بھیجیں۔ جب اس جزیرے کا پتہ نہ لگا تو پانچ واپس چلی گئیں۔ لیکن دو کشتیاں ہمت کر کے بحر عجم کی طرف بڑھیں جن کو یہ جزیرہ مل گیا۔ ان دو کشتیوں کو دیکھکر سب خوش ہوئے جتنے آدمی سما سکے ساحل کی طرف روانہ کیے گئے۔ مگر اس بُرے وقت میں نواب صاحب اُن لوگوں کے ساتھ رہے جو روانہ نہ ہو سکے تھے اور محض فضل خداوندی پر بھروسا کر کے اسی ویرانے میں پڑے رہے چند روز کے بعد دو کشتیاں اُسی حاکم کی

بھیجی ہوئی اور آ پہنچیں مگر طوفان کی وجہ سے دس دن تک روانگی ملتوی
کرنی پڑی جب طوفان فرو ہوا تو نواب صاحب مع بقیہ ہمراہیان کے
چل پڑے اور وہ سب سے آخر شخص تھے جو کشتی پر سوار ہوئے بالآخر
ساحل لیث پر بخیر و سلامت جا اترے اور وہاں سے براہ یمن عازم مکہ
معظمہ ہوئے۔ اس واقعہ کو نواب صاحب نے اپنے سفرنامہ "رہ آورد"
میں زبان فارسی میں حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں :-
ع أَنَا الْغَرِيقُ فَمَا خَوْفِي مِنَ الْبَلَلِ - بہمہ حال بدیں نوع بآں جزیرہ رسیدہ
جزیرہ بود و چہ جزیرہ کہ چشم حاسد ازاں فراخ تر باشد و دل لئیم ازاں
کشادہ تر و مہمانانہ نہالے کہ بسایہ آں تواں نشست ونہ درختے کہ از میوہ
آں بہرہ تواں برداشت نہ آب رادراں وجودی ونہ دانہ را دراں
نمودی نہ راہی کہ ازاں جا تواں گزشت ونہ ساحلی کہ بانجا تواں رسید
حال جزیرہ بایں خرابی کہ گفتم و سفینہ بآں زبونی کہ شنیدی اکنوں چہ باید
کرد چوں چارہ دگر نہ بود لاجرم بجزیرہ فرود آمدن تا اجل مقدر ہمدراں
با گزرانیدن ضرورت افتاد ہر چہ ازاں اسباب و کالا از آب بالا
بود از جہاز بدریا انداختہ آمد کہ تدبیر فرود آوردن ایں بود و بس پس ہر کجہ

پیش ما ماندنی بود بحکم خالق بحر و بر باد شرط و موج دریا شرط زورق و ملاحی بجا
آورده بما سپرد و هر آنچه رفتنی بود بسمت دیگر برد و سپاس خدای را عزوجل
که بسیار آمد و کمتر رفت اما در آن حال نه از رفتن حزنی و نه از آمدن سروری
و همچنین بما میل آب شیرین بدریا انداخته شد رفتنی رفت و آمدنی آمد و
کذلک از اجناس خوردنی هر چه برآوردن آن در حوصله امکان گنجید و اکثرش
برنج و باجره بود که اهل کشتی بتجارت بار کرده بودند بعد فروشستن غوغا چاره
سگالی را بزم آراست و از پئے رای زدن نشست گفتگوی بمیان آمد این
بود آب دوانه در اینجا وجودی ندارد و آب موجود هشت بر مهل و مردم زیاده
بر دو صد کس و پیداست که اینقدر آب سرمایه چند روزه تواند شد و تا خبر
بجای نرسد رسیدن سفینه معلوم و راه خبر بسته اند چکنیم تا گره از کار کشاید
همه بیک حرف زبان کشودند که کار از دست رفته است و آب از سر گذشته
تدبیری ندانیم و چاره نمی توانیم جز اینکه در آن کوچک سفینه تنے چند از سر جان
برخیزیم و نشینیم تا چه پیش آید و از پس پرده غیب چه رو نماید هر چند اندیشه
بر نتابد که چنین کشتی از چنان دریا بسلامت بگذرد امّا اندیشه یعنی چه آنجا خوف
اگر از آب بحر است اینجا از آتش عطش ترسیده عذاب تشنه میری از آب

چوں تواند ترسید لاچارم بحکم الغریق یتشبث بکل حشیش دراں زبون زورق
که حشیشے بیش نبود نه ده تن را که بعضے ازاں خود و سرخیل آں مولانا فضل علی
بودند باچندے از کشتی باناں و یکے مولوی برہان الدین که با نگارنده
ایں فرخ نامه مواسات تمام دارند در بمبئی ایشاں را شناسا آید از
اہل پنجاب اند فطرتی سلیم و فکرتی مستقیم ایشاں راست و وجه سابق
گزارده حالیا بعزم سکونت در اشرف البلاد قبله کل حاضر و بادیه نشیند بعد
انقضاے چار روز برین واہیه بتاریخ چہارم شوال توکلا علی الله نشانیده
و سر واده رحمت آلہی را منتظر نشستیم ہر سحر که می خیزیم رو بدریا می خیزیم و
ہر شام که می خوابیم بر فسانه سفینه می خوابیم دوازده روز از رفتن کشتی و شانزده
روز از شکستن جہاز سپری گشت تا شام گاہے دو کشتی خرد نمودار شد
و شب سیاه را امداد پدید آمد مپرس از شادی آں زماں که فلک در
دریا از ہلال روز عید بر فلک دلاویزتر می نمود دانستیم رفتگان آمدند
چوں ملاحاں فرود شدند دیدیم یکے از آناں نیست در شگفت زار افتادیم
ہنگام پرس و جو بدینگونه داستان سرائی کردند که بعد ہفت روز فرستادگان
شما به قنفذه که کوچک معموره است بر ساحل دریا رسیدند و پیش گاه حاکم

که عرب دوله خواند ما جرا اگذار آمدند و بیاری او با هفت سنبوق ره پیما شدند
چند شبانه روز میانه دریا بهم تفحص جزیره پرداختم چو از جزیره سراغی ننمود ملا
آن پنج کشتی را بسمت قنفذه برگردانیدند چندانکه مولانا فضل علی و دیگران
منع کردند سودے نداشت دلیری نموده بسمت بحر عجم گرم تلاش شدیم
شکر لله که سعی ما مشکور آمد و گوهر مراد بکف افتاد القصه در دو زورق خورد و
کوب این حجم غفیر صورتی نداشت لاجرم یکے را بعد سه روز و یکے را بعد شش روز
هر قدر مردم که گنجید ندانشانیده سرواره شد و خود تکیه بر لطف کارساز نموده
همراه ان شورش کده توقف پذیر آمد لعل الله یحدث بعد ذلک امرا
از انجا که خداوندگار را پابندگان خود رحمتی برتر از وصف است بروز بست و پنجم
از شکستن کشتی دو کشتی دیگر مشاهده شد ندظن بدانمایه رنگ و بوے داشت
که نفحات یقین بدماغ میرسید که مهوشان ما اجنبش نسیم توفیق بجا آورده
و گم کرده راهان ما را خضر تحقیق از آواره خرامی استانید چون بکنار میرسیدند
باز بهمان نواهاے ناآشناست و همان شمائل هاے بیگانه تا هنگامه گفت
و شنود آغاز و زبان سرگرم پرسش را انگشت وا نمودند که آن پنج کشتی که
ره بجاے نبرد و راه قنفذه گرفت رسیدن همان بود و باز گردیدن همان که

بحر را ازیں معنی غضب در گرفت و قہرش فزونی نشست تا از جاے برنخاستیم
یک کشتی دیگر افزود و چند روز بہم جستیم عاقبت از تلاطم امواج و جوشش باد جدا
شدیم کہ بالحسب بخت و اتفاق بساحل مقصود گذر کردیم شعر آوازکیست رہبر
روادی محبت طوفان بود معلم دریاے بیکران را۔ از کار دیگران بیخبریم کہ ہنوز
ب بکیل می پیمایند و باد درہاوں میسایند یا عزم خانہ کردند و من بسوے وطن
آوردند بعد رسیدند سفائن عزم جزم شد کہ ایں بار بہر طور جملہ مردمان را بگنجانیم
غایت الامر از سامان و اسباب ہر چہ نگنجد بگذاریم ایں خیال مصمم شد و عزم
روانگی در پیش آمد مقارن آں حال طوفان باد و جوش باراں و اضطراب
امواج پدید آمد سفائن صغیرہ را چہ یارا کہ دریں ناہنگام پا از حد خویش فراتر
نہند مصرع چراغ مرا باد و باراں سبب ہی است آرہ روز سبب توقف ایں شد
چوں ہنگامہ ابر و باد فرو نشست بعزم سفر برخاستیم و بتاریخ پنجم شہر ذیقعدہ
وقت عصر آنجزایر را جیر باد گفتہ در کشتی نشستیم و رخ بسمت لیث کردیم شمارہ
ایام اقامت آں جزیرہ یک ماہ و پنج روز است چوں دریاے عجم موجی
نہ باندازہ دارد غالب بیم ہلاک بود و بحریان خطرناک اما آنجا کہ صیانت
ایزدی باشد بہیچ آب و آتش گزند نتواند رسانید سالماً و غانماً بتاریخ

هشتم نصف النهار بساحل لیث رسیدیم الحمد للہ علی ذلک حمدا کثیرا
ان للہ ہر شہورا و جہورا و کان امر اللہ قدرا مقدورا حالیا پیش ازانکہ سخن
از باب دگر گویم ماجرائے آب بر زبان آریم کہ باآں مایہ کمی تا ایں زمانہ دراز
باینہمہ مردم کہ اندازہ کثرت شان پیشتر گرفتہ چوں وفا کرد تا بدائع قدرت کاملہ
آفریدگار دریابی بشنو کہ جامی شام و جامی پگاہ چوں ساغر مہر و کاسہ ماہ بخشش
ہر یکے بود و باایں احتیاط چشم آں بود تا پانزدہ بست روز روئے آب بینیم
و ہنگامہ ہنگام قسمت دیدنی داشت ہر چند کہ کس ندیدہ اما بمثالے روشن
نادیدہ بدیدہ مردم جلوہ دہم و با ہجوم تشنگاں گرد صاحب تقسیم بمثابہ انبوہ
بادہ خواران چپ و راست میفروش با ہماں جوش و ہماں خروش عطش
زدہ پیش بسوئے آب چوں مستی بپائے خم شراب بیخود افتادہ تشنہ را با کاسں
آب آں معاملتی کہ می نوشی را با جام بادہ یکے تو اسے العطش العطش بگنبد مینائی
رسانیدہ یکے زمزمہ پیمانہ گراں تر دہ باآں سیر آہنگی سرودہ کہ زہرہ از غصہ
بزم نشاط برچیدہ اے حسرتی زیر و بم پیش کش سخن سادہ گوئی داستان
ماتم را باد ف و نی مسرائے شعر و رد انگیز را بصوت حزیں درد انگیز تر مکن
حدیث پر شور بملاحت بیان نمکین تر مساز افیون در شراب میامیز پرکالہ

دل باسرشک مریز از نظیر و مثال بگذر ساده بر سر داستان طرازی شو بگو تا دگر
چه می گویی چون درد و جام که قسمت میشد رفع عطش از کجا نان پختن را سرمایه کو
ناکام پخت طعام از آب شور بود تراوش ابر رحمت بین که سحابی آمد و بارانی
بارید مغاکها کندیدند و آوندها نهادند قدرے آب فراهم آمد و دو سه روز را سامان
شراب و طعام بر وجه بایست مهیا گشت - ازین پس بخاطر حقیر گذرانیدند اگر
آب دریا چون عرق بکشیدن آید شاید که بکشیدن آرزو و نوشیدن را نشاید امتحان درست
اندیشه و انمود سلمنا طعم عرق داشت اما در اجاگاه نوشیدن تر از آب حیات
وشیرین تر از شراب قند و نبات بود طول کوتاه درین هنگام که پیدا صورت
سختی داشت پنهان چه موهبت هائے جلیل و عطیه هائے جمیل که ارزانی ندا شتند
اگر همه بگذارم از نعمت ریا و سمعه می ترسم و اگر همه را گذارم از نعمت کفران
نعمت می هراسم نعمت ها از خداوند دیده ام و اما بنعمت ربک فحدث شنید
خاموش چه توانم بود میگویم هرچه باداباد تاسّی باین صحابه کیش نسبت چنگ
در دامن عبدالله بن عمر میزنم و باقتدائے ایشان زمزمه می سنجم خدا از آفت
ریا نگاه دارد و موهبت نخستین آن بود که دلی عطا کرد صبور و زبانی سپاس
گذار دل وقف تحیرت ها و لب سرگرم ثنا از بدایت تا نهایت ناشکیبی کم دیدم

پردۂ ضمیر نگشت وار آغاز تا فرجام بیقراری در پس کوچہ مجہول ماندگر باوروداری کہ دروغ گفتن روا نیست سخن مرا باور کن ولاف شناس وگزاف مدان و شگرف نگیروایں نہ حد چوں منی بود ہر آئینہ لطفے بود از لطائف جل شانہ وعم نوالہ چوں لطف او کارفرما شود ذرّہ خورشیدی کند وقطرہ دریاے دگر در وادی بے آب ودانہ آب ودانہ چہ گونہ عطا فرمود ندباز از چناں دشوار جاے چہ آسان برآورد ندد یگر یکے ہم ازیں ہمہ آسیبی ندید وگردی نیافت کار افتادہ شناسد کہ درصورت چنیں وقایع ایں معنی بس نادر است وار وس وکالا ہم از بسیار اندکے واز صد یکے رفت شمارہ آلاے ایزدی از بیرون تنومندان بالاتر است تاار ناتوانی چہ آید خوشتر آں است کہ سوال فراوانی نعم بیشمار تا روز شمار وخواستگاری مواہب بحساب تاروز حساب نمودہ صرف نفس بداستان طرازی کند مستور مباد کہ بتاریخ نہم در لیث آمدیم قریہ مختصر لیست ۔

حج وزیارت بیت اللہ | وہاں سے براہ خشکی روانہ ہوکر منزل مقصود یعنی مکہ معظمہ پہنچے اور زیارت بیت اللہ کی مسرت نے تمام مصائب سفر کو بھلا دیا۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ نے

چار روز کے فصل سے یکے بعد دیگرے مکہ معظمہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اسی خاک پاک میں جنت البقیع کے مقدس قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زیارت مدینہ منوّرہ

مکہ معظمہ میں دو ماہ پانچ روز قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوئے۔ جس ذوق و شوق اور جس سچّے خلوص کے ساتھ آقائے دو عالم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تھے اُس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوتا ہے[۵]۔

جب آپ کا قافلہ قریب شہر کے پہنچا شیخ الحرم تشریف لائے اور پوچھا کہ محمد مصطفٰے خاں نامی کوئی شخص اس قافلہ میں ہے۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے نواب صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "آپ میرے مہمان ہیں"۔ نواب صاحب نے جواب دیا "مجھے اس سے زیادہ کیا فخر ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ابھی یہاں بالکل نووارد ہوں سردست مجھکو

[۵] یہ واقعہ نواب صاحب نے اپنے سفرنامے میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے ان اشخاص کو جنھیں اس واقعہ کا علم تھا ممانعت کردی تھی کہ وہ کسی سے اس امر کا ذکر نہ کریں۔ حضرت مولوی محمد احمد جان صاحب خلیفہ شاہ عبدالغنی صاحب برادر اکبر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سی۔ ایم۔ جی۔ مرحوم جو نواب صاحب مرحوم کے دوست اور پیر بھائی تھے اس واقعہ سے واقف تھے۔ لیکن انھوں نے بھی نواب صاحب سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ وہ انکی زندگی میں اس واقعہ کا اعادہ نہ کریں گے مگر نواب صاحب کی سوم کی مجلس کے بعد اسکا تذکرہ کیا تھا۔

اس عزت سے معاف فرمایا جائے" اس پر شیخ نے صاف طور پر اپنے تشریف لانے کی وجہ بتائی اور فرمایا کہ "نہ میری مجال کہ معافی دوں نہ آپ کی طاقت کہ آپ معافی مانگ سکیں۔ اس لیے کہ "مجھکو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا ہے کہ میں جا کر حضور کی طرف سے شرط مہمانی بجا لاؤں" یہ سنتے ہی آپ پر ایک حالت وجد طاری ہوگئی"

سفر طائف مدینہ منورہ میں ۳۹ روز مقیم رہنے کے بعد مکہ معظمہ کو واپس ہوئے اور مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے۔ یہاں کے قابل دید مقامات دیکھے اور جو یادگاریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی موجود تھیں اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

استغنا قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں مسجد حرام میں ایک کردستانی[۱] بزرگ نے یہ معلوم کر کے کہ نواب صاحب کی کشتی ٹوٹ گئی تھی سرمایہ تلف ہو گیا ہوگا

---

[۱] روزی از روزہا بعد نماز در مسجد الحرام نشستہ بودم عزیزی از کردستان پہلوے من بود گفت پارسی دانی گفتم آرے گفت تونہ آنی کہ کشتی تو شکست گفتم آری گفت این نہ بیت اللہ است گفتم آری گفت نہ این جائے خلاف نیست گفتم آری گفت ما شنیدم کہ عزیزے را کشتی شکست مرا از غصہ جگر خون است دانم ساز و سامان رفتہ باشد و برگ و نوا تلف گشتہ خاکی پیش من است بگیر و ساز برگی بساز این بگفت و کاغذی پیچیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵ پر دیکھو)

نامه که محال بخیال آمده منشار شبه گشته خیالیست او هن من نسج العنکبوت پنهان مبادکه در ماه گذشته خلاف افتاد جمهور بر آن بودند که هلال ذیقعده بروز بست و نهم شوال جلوه گر گشت و بعضی روز سی ام را اصلح می دانستند و مقبول اهل جهانگیرآباد قول اول بود واکثر ارباب شاهجهان آباد را بتقریب ملاحظه تواریخ مراسلات شان با خود موافق یافته این بود که بست و پنجم ذیقعده بعنوان مکتوب مکتوب گشت نمی دانستم که ملازمان بقول مرجوح گرویده اند پس بحسب حساب مختار خدام بست و پنجم بست و چهارم خواهد بود درین حال رقیمه مرقومه بست و پنجم از جهانگیرآباد به بست و پنجم بدهلی رسیدن از مستبعدات نیست فضلاً عن الحالات کما وقع والسلام مکتوبه سوم ذی الحجه سال هزار و دویست و چهل و نه ۱۲۴۹ **نامه چهاردهم** ۱۴

بنام جناب مولانا صدرالدین خان بهادر آزرده خواجه بنده نواز سلامت باچنین شوقیکه من دارم ندانم سدّ راه کیست و با این بیطاقتی تاب شکن حیرانم که با عشق ضبط چیست مگر تغافل خدّام از فوز این نعمت محرومم پسندیده که تا مقناطیس جذب نکشد آهن را الشرف پابوس سر بفلک کشیدن محالست و تا شمع چشمک نزند پروانه را هوس گرد سر گردیدن ورته بال اکنون که لختی بوے التفاتی می شنوم مژده ایست که زود رنگ انجمن رشک چمن می بینم **فرد**

لطفش ببزم دلکش او حسرتی کشد ❊ چون بوی گل بباغ برد عندلیب را

بعد عمری جان نواز نامه نواخت و پس از دیر باز سامی صحیفه در نظر خویشم گرامی ساخت هرچند شکر و شکایت سزاوار است امّا خاموشم که اجتماع ضدین بیرون از حیّز اختیار است در باب فتحیاب جانب حریم نواب حمید الدوله بهادر که فرمان رفته است درونداد فتوری در بستان سرا برزبان آمده ابواب تعجب کشود که ملازمان چرا با جابت سوال در لطف بر روی شان وا نمودند رنج انتظار فرمان این فرمان پذیر بود کلان آن بود منکه بفرمان شما رخنه در کاخ رویین و سوراخ در سدّ اسکندر کنم تا باین دیوار گل چه می کردم قصر اگر قصر بهشت است و باغ اگر باغ جنت از دوستان دریغ داشتن روا نیست که رخنه در بنیان مهر و وفا بیفتد که اصلاح آن سهل است و درستی این مشکل و دشوار را بر آسان پذیرفتن شرط خردمندی نیست تا مقتضای محبت خود داد چه باشد والسلام بالوف الغرام در ماه حج سال هزار و دویست و چهل و نه بساعت اول آخر ایام تشریق بقلم آمد **نامهٔ پانزدهم** سبحان الله مشتری گوهر جوی بفروشندهٔ خزف ریزه در دکان پیش آوردن سپلے آزرمی در دید تا فتن تا قربانی بخشش پذیرا افتاد که و همین نامقبول تر بود مصرع گر قبول افتد زهی عز و شرف -

غزل

مزن طعنه کاین نقش مشکل نشیند / که بر تربت کشته قاتل نشیند

نه خود را که از ره برد عاملی را / حکیمی که در فکر باطل نشیند

همه عمر خود را بحسرت فروشد / در آندم که کس از تو غافل نشیند

کشتم ناز آهی که از سینه خیزد / دهم داد تیری که در دل نشیند

تو بردام خود تکیه داری وگرنه / ندیدم که صیاد غافل نشیند

به پیش تو فرزانه دیوانه خیزد / ببزم تو دیوانه عاقل نشیند

بجوئی جزا بهر که گوهر فشاند / بپوئی براهی که سائل نشیند

چو رامم کنی فارغ از من نباشی / که آسان رمد آنکه مشکل نشیند

فزون از دو دم خسته در خون نغلطد / بگوئید کاسوده قاتل نشیند

جنون حسرتی چون تمامست کارش / ز خلوت برآید بمحفل نشیند

نامهٔ شانزدهم مصرع بابا بالتفات نه این چه ماجراست - تغافل از حد گذشت تحمل را مجال نماند چه کرده ام که چنین می رود ندیده ام که خواجه بنده را این ناروا روش پرورش فرماید شنیده ام که دوست با دوست چنین بپرورد ره زیست نماید خدارا این نو آئین آموز که بود این شیوه [illegible]

جارّت پسند از کجا بود علاج بمثل نیز قسمی از معالجہ است ہمبرن جادہ خراشش
ہیچواستم امّا ازیں ژرف نای گذشتن را تاب کو **بیت**

اگر تو فارغی از حال دوستان یارا ✤ فراغت از تو میسّر نمی شود ما را

نامہ ہفدہم بنام نواب عبداللہ خاں بہادر پایہ افزا صاحب والانامہ آمد و مژدۂ
اعتبارم داد اگر موالات پذیرد جاہ دگر دہد وایچ دگر فرمان رفتہ است کہ عطیہ
بلا شرط خدمت کہ فرماں روائے میرٹھ را نے مفتی محمد قلی صدر الصدور ازیں رو کہ با
دل خوش نمارد ہیچ خواستگاری او از ا بالی صدر خواستہ است بعالیخدمت باز
گویم بدایت ایں حکایت خود بہ ضمیر منجلی نظیر عکس افگن شدہ است بنا بران سخن
از ما جرائے نشنودہ میرود کہ ارباب صدر چنیں پاسخ باز دادند کہ ایں آرزو تا از
زبان متمنی بر نیاید بے استدعائے مستدعی امری صورت نمی بندد و کاری از
کشاید و سلش نہ بستہ اند و قلمش شکستہ چوں خواہش از قبل حاکم من تلقاء نفسہ
خود بود نہ بتمنائے مفتی بعد ازیں مصلحت ندید الا سکوت فسبحان من بیدہ
الامر ولہ العظمۃ والکبریاء والجبروت واز اراجیف عوام دیگر نیز ہست ا
پذیرفتن نشاید و نوشتن نباید بالجملہ ہنگام ورود باحاکم در مطلب مطلوبی
و پیشگاہش ذکری می کنم خاطر آئینہ آئین جمع و تابش لمعۂ اقبال جگر سوز

مستهلّ شعبان سنه هزار و دو صد و پنجاه و یک بضبط تحریر آمد نامهٔ پنجاهم
ایضاً بنام نواب عبدالله خان بهادر شتاقنوا از احادیث شوق که گزین داستانی ست
از کارنامهٔ عشق نه چنان بسنت فرسود روزگار شده که تمنای کوهکن بوصل شیرین
باور نکردن از بدگمانی باشد بدگمانی را آن مایه روز به بازار که در عداوت دیوانه
بخدا باشد ما هم خاطر شکسته اند و بساختن در چارسوی ساده لوحی شالک بمنزلی
بدست آوردن است پس مرا چه افتاد که در پوستین خویشتن افتم و گروهی را بسوی
سوء ظن خوانم و قومی را ساده دل لقب نهم گرفتم که لختی دل خالی میشود و مرا دل قرار بسته
از نیک و بد زمانه و خاطر فارغ از ردّ و قبول روزگار و هرگاه سود و زیان خود جمع
و پریشان نکند دوستان را چه محل شکایت و دشمنان را چه مجال سرزنش امّا
ننگ تنگ حوصلگی را چه درمان همان بهتر که راز درون در میان ننهم و جدائی
را در عرصهٔ اختلاف گنجد نه هم مرا که چمن آرای ائتلاف و آشنائی کرده اند حیف
باشد که خارزار مخالفت و بیگانگی پیراسته آید مسیح را دم جان بخش داده اند آزار
مردم نه، خضر را بلد راه آفریده اند غول طریق نگردد سعادت را اقبال ها بسته اند
بسازش بهم نزود

فرد

گویند حرف شوق زمعنی تهی ست پس ✤ ای حسرتی کنون سخن ناسزا کنم

روزگاریست که همایون نامه دل را ایزد چشم را فروغ و خاطر را فراغ کم می بخشد
سهر را السجده دوست را به تسلیم و زبان را الپاس کم گستاخ می کند گناهی نرفته
است پاداش چه است بیت

یارب چه کرده ایم که مخصوص جان ماست * این تیغ زهر داده که نامش تغافل ست

داستان بیفتی محمد قلی همطیکه گوش از شنیدن سر برنتابد و دل از پذیرفتن بستوه
نیاید در نامه سابق گذارده آمد مصرع دگر هر چه گویند افسانه است۔

افسانه دراز شد و نه اینقدر فرمان وقت بود و شوق سگالد که هنوز سطرے از کتاب
ننوشته آمد و من در حجاب که به صرفه زحمت و وقت رفت لازم متحدی گشت
خامه افگندم و نامه نور دیدم سلام سلامت انجام پذیرا باد۔ نامه نوزدهم[۱۹]

بنام نجم الدوله مرزا اسد الله خان بهادر غالب که گلشن بے خار تذکره مؤلفه راقم طلب
فرموده بودند و هنوز باتمام نرسیده بود و جزوی چند با وجود ناتمامی ارسال یافت

سخن پناه سخنور امیدگاه سلامت اگر چه اندیر باز میدانم که ملازمان را بسوئے سفینه
که نعرق ریزی فکرت پریشانم در گرد فراهم آمدن است علاقه خاطرے هست
اما در آن بزم که همی رسید بستگی چند فراداه داشت یکے آنکه عرض خزف بے جوهر در
نظر مشتریان گوهر نه اندک تشور است و پیش آوردن متاع کاسد در پیش خریداران

سرہ نکم خجالتست دوم آنکہ ہنوز تشریف تمامی در بر نداشت بسا سخنور کہ سخن شناسان
بنقطۂ انتخاب توشیح نیافتہ و فراوان زبان آور کہ ترجمۂ شان بضبط تحریر نیامدہ
اکنون کہ آوازۂ کمی التفات بتازہ آویزہ گوش گشت تامل را محل نماند حجاب در
نقاب شد این نوخاستہ شاہد شوخ و شنگ **مصرع** نیم پوشیدہ حلۂ بیباک
دراں انجمن انجمن جلوہ گری می کند دریں صورت اگر بدلے جانکند صورت دارد وجا
دارد اما سخن را باآں او اشناس سخن نسبت قیس ولیلی ست اگر لیلی در نظر دیگراں
حسنی ندارد از کجا کہ دلربائے قیس ہم نیست **مصرع** عاشق ہمہ جلوہ سراپا شناست
نامہ بستم[20] بنام حکیم محمد مومن خاں صاحب مومن تخلص ۔ گرامی برادرم مہر آگیں
نامۂ مہر جلوہ پرتو انداخت نوید روشن ستارگی آورد ستایش گریہا نجواستم
روے دل ندیدم کسے را کہ زمانہ مدحت سرا باشد مرا چہ افتاد کہ تہمت ابنازی
بر خود بندم فرمانست کہ فرماندہ مراد آباد را نامہ نگارش آید خود از دیر باز مورد سرزنش
باد و داد و جستجو ہا جز اینقدر کہ ہم اختر یا ہفت اختر است نشانی از قرار جائے او
بہیار انگشت دریں حالت نامہ برسالت کجا وکرا رسانم ندانیم بخیال است کہ زمان
فراہم آمدن پراگندہ طبعان ہند بر ساحل دریائے گنگ چندے وقت می خواہد
چوں آں وقت رسیدہ رسیدنش را چند است یکے ہم در انجا سر اوشش

نامۂ بست و یکم [21] توشت خواں کہ است شوق و آرزو نویسد ہرچہ زیادہ گیرو
بنام مرزا اسد الله خاں غالب محررا غزل تازہ ورود کہ بشمیم گل و لطف مل بود
مرا از من ربود سرخوشم کرد و پابستم نمود بدستی ترانہ سنجی یارا آور و زبان بگفتار کشود
ہمدراں زمین گلی چند جلوہ فرمود و گرفتم و دستہ بستم کہ ببزم خواجہ فرستم آری آری
گل گفتم نہ از ہوش است لیکن تو کہ گاہے از خود رفتہ قدر بیہوشی را چہ دانے
خاموش

غزل

رحمی بکس نخوردہ و ممنون نکردہ کس
در شہر کس نماندہ کہ مفتون نکردہ کس

آزردہ گر شوم بنگہ شاد می کند
جز می علاج خاطر محزون نکردہ کس

ورنہ وصلائی جلوہ و خلقی برشک سوخت
دست کرم کشادہ و ممنون نکردہ کس

تا وصل او ز بخت ندانم کدام جور
کاندر بروز فال ہمایون نکردہ کس

نازم بہ اہل عشق کہ بر فتنی غیرت است
رشکے بملک و جاہ فریدون نکردہ کس

صد گونہ اعتراض بگفتار بو علی ست
تعریض بر طریقۂ مجنون نکردہ کس

گر غیر در رشک غیروں کردہ باش
از دل خیال بزم تو بیروں نکردہ کس

اے دل ز جور یار شکایت چہ می کنی
کس را ابتر ور والہ و مفتون نکردہ کس

خونم چکد ز دیدہ و برقم جہد ز لب
سویم بالتفات نظر چون نکردہ کس

نواب صاحب کی رسم و اتحاد مفتی صاحب سے نہایت مستحکم تھی۔ تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں مفتی صاحب کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایسا کوئی دن نہیں ہوتا کہ مفتی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی ہو۔ اور میرے اعتقاد میں جس روز ان کی مجالست کا شرف حاصل نہ ہو داخل ایام عمر نہیں ہے" ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دونوں بزرگوں کے دولت خانوں میں زیادہ فصل نہ تھا اس لیے اکثر باہم آمد و شد رہتی تھی۔ جب سفر حج سے واپس ہو کر نواب صاحب وارد بمبئی ہوئے تو مفتی صاحب کے خط کے جواب میں ایک قطعہ فارسی بیس شعر کا نواب صاحب نے لکھا تھا جس میں سے چند اشعار بطور یادگار ہم بھی لکھتے ہیں۔

بہر طواف کوئے تو اے مہر اوج فضل ❊ رو جانب زمین ز سما کردہ ایم ما

در کعبہ داستان مسیح تو خواندہ ایم ❊ وندر مدینہ ہم ز تو ثنا کردہ ایم ما

ہر جائے کان محل اجابت شمردہ اند ❊ حق وفا و مہر ادا کردہ ایم ما

اس قطعہ کو نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنے تذکرہ موسومہ شمع انجمن میں درج

۱؎ نواب شیفتہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے خاص مراسم تھے جس کا ذکر خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنے تذکرہ شمع انجمن میں نواب صاحب مرحوم شیفتہ کے ذکر میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں "محرر سطور در زمانہ قیام شاہجہان آباد کہ قریب دو سال خواہد بود بتقریب طلب علم در دولت کدہ ایشاں بارے اقامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہو)

کیا ہے۔

دائرہ احباب نواب صاحب کی ذات گوناگوں صفات کی جامع تھی۔ اہل امارت میں امیر تھے تو ارباب فقر میں فقیر، طبقۂ علما میں عالم تھے تو زمرۂ شعرا میں شاعر اور اہلِ ادب میں ادیب۔ اس لیے آپ کا دائرہ احباب بھی بہت وسیع تھا۔ بعض اصحاب ہم فنی کے لحاظ سے آپ کی ملاقات و دوستی کو موجب فخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) افزود تا بقید حیات بود بخط وکتابت یاد وشاد میفرمود ترغیب السالک الی احسن المسالک و تذکرۂ گلستان بیخار و دیوان شعر فارسی و رسالۂ بہ آوردار تالیفات ایشاں باقی ست فسلک مذکور در سنہ ۱۲۶۸ھ از دہلی ہدیۃً نزد کاتب حروف فرستادہ و در سنہ ۱۲۷۳ھ بہ زمانہ برگشتگی افواج ہند ہر گاہ بتہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را از ان عقبہ کؤد نجات بخشید خطی بمحرر سطور تحریر نمود کہ عبارتش بلفظہ این ست خط سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بندیلا بنام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود برطبق آں صاحب ممدوح آنچناں مساعی جمیلہ و کوشش ہا بے نیل فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید ازین مقتضائے محبت ہائے سامی ہمیں بود این احسان فراموش شدنی نیست اکنوں نجات صوری رو داد لیکن نجات معنوی باقی ست یعنی جائداد و غیرہ وجوہ معاش ہنوز مطلق واگذاشت نشدہ این مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسید پس ضرورت افتاد کہ بآنجناب اطلاع کنم تا بنام شان خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمایند تحریر ہمیں کہ بظہور این امر شکر گزاری سامی خواہم نمود فضول ست کہ میان ما و شما گنجائش ہیچ امور نیست کہ یاد آوری بکار آید ظاہر ست کہ بارِ این منت بس عظیم خواہد بود مورخہ یکم شعبان سنہ ۱۲۷۴ ہجری انتہی چوں این خط آمد خطی دیگر بنام مومن علیخاں صدر الصدور ساکن سندیلہ نوشتہ شد و بنیہ و معاش بجد و کشش و کوشش بسیار واگذاشت شد و للہ الحمد توفی رحمۃ اللہ تعالیٰ ا۔"

سمجھتے تھے۔ بعض حضرات جو علم و فضل کے جوہر شناس تھے آپ سے رسم مودت
پیدا کرتے تھے۔ اربابِ طریقت بتقریب ہم مشربی آپ سے ملتے تھے۔ بعض
کے مراسم امارت و ثروت کے تعلقات سے وابستہ تھے۔ ان میں سے
بعض احباب کا ذکر جمیل حسب موقعہ ان حالات کے ضمن میں آیا ہے۔ اُن کے
علاوہ خاندان کمبوہاں سے بزرگان میرٹھ میں آپ کے احباب نواب
احمد اللہ خاں و منشی ممتاز علی خاں (اس نام کے دو بزرگ تھے) اور حافظ
عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی اور شیخ محمد[1] صاحب تھانوی تھے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے نواب صاحب کے رہنے کا اتفاق زیادہ تر جہانگیرآباد
میں ہوتا تھا جہاں نہ دہلی کے سے علمی چرچے تھے نہ اہلِ کمال کا وہ جمگھٹا۔ اس
لیے شعر و شاعری کا شغل بہت کم ہو گیا تھا اور در اصل جب سے زیارت حرمین
شریفین سے واپس آئے آپ کسی دوسرے ہی حال میں تھے چنانچہ فرماتے
ہیں ؎

[1] یہ مولوی شیخ محمد صاحب بڑے عالم زاہد اور صوفی مشرب بزرگ تھے تھانہ بھون ضلع
مظفر نگر میں اُن کا مسکن تھا۔

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے ✤ شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

بلکہ تذکرہ گلشن بیخار کے دیکھنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے سفر حجاز سے پہلے ہی اس شغل کو کم کردیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "چوں ربط بایں فن از دیگر اشغال عالیہ و فنون شریفہ باز می دارد اکنوں دیرگاہ ست کہ سرو کارم نیست مگر بتجربہ محفلیان گاہے از واردات جدیدہ اتفاق می افتد آں ہم بعد سالے نہ کہ ماہے" مولانا حالی نے ضمیمہ کلیات نظم حالی میں جو دیباچہ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب اپنی زندگی کے آخر چند سال میں بھی کبھی کبھی فارسی میں فکر سخن کرتے تھے غالباً اس کا سبب مولانا حالی کی وہاں موجودگی ہوگی۔ مولانا مرحوم بوجہ تعلق ملازمت ۱۸۶۳ء سے نواب صاحب کے اخیر وقت تک وہاں رہے تھے۔ مولانا حالی سے یہ بھی نقل ہے کہ نواب صاحب اواخر ایّام میں خواجہ حافظ کی روش پر فکر سخن کرتے تھے۔

اولاد نواب محمد علی خاں جو ریاست رامپور میں ریونیو ممبر رہے ہیں اور لارڈ لینسڈون کے زمانہ میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی تھے فرزند اکبر تھے ۱۸۹۹ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

نواب نقشبند خاں دوسرے فرزند تھے ۱۸۷۰ء میں انتقال کیا۔ تیسرے

صاجزادے نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ہیں جو علم دوستی اور مکارم
اخلاق اور دین و دیانت و سخاوکرم میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں
صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ ججی کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ چار سال تک مدارالمہام
ریاست رام پور بھی رہے۔ اور اب پنشن یاب ہو کر ایم اے او کالج علی گڑھ میں
آنریری سکرٹری کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں خدائے تعالے اُن
کی ذات ستودہ صفات سے تا دیر قوم کو مستفید ہونے کا موقعہ عطا فرمائے
ان کے علاوہ دو صاجزادیاں تھیں جن کا انتقال ہو گیا ان کا عقد بھوپال میں
نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے برادر خورد کے فرزندوں سے ہوا تھا۔

تصانیف و شاعری اولاد کے ذکر کے بعد اب ہم آپ کی اولاد معنوی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔
آپ کی شاعری کی ابتدا سن شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ہو گئی تھی اُردو
میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔
دیوان ریختہ اکیس سال کی عمر میں مرتب فرما چکے تھے جو غدر ۱۸۵۷ء سے غالباً
دو تین سال پہلے مطبع آئینہ سکندری میرٹھ میں چھاپا گیا تھا۔ ایک غزل کا مقطع
بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے ؎

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیر طریقت ٭ گو عمر ہی میری ابھی اکیس برس کی

فارسی اور اُردو دونوں میں حکیم مومن خاں صاحب مومن[1] سے تلمذ تھا اور خان موصوف کی وفات کے بعد مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب سے مشورہ کرتے تھے۔

---

[1] حکیم مومن خاں صاحب بھی نواب صاحب کی قابلیت سخن فہمی وسخن سنجی کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ اکثر اوقات نواب صاحب ہی کی فرمائش سے فکر سخن کرتے تھے۔ اور اپنے کلام ریختہ کی تدوین بھی نواب صاحب ہی کو سپرد کی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب نے تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں حضرت مومن کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے "با ایں ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بفکر سخن نمی پردازد۔ چنانچہ اکثر کلامش بخواہش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ و ہم تدوین افکارش را فقیر باعث گشتہ۔ دیباچہ آنکہ ریختہ خاصہ من ست در آں بتفصیل ایں ماجرا بازکردہ ام۔"

مومن نے تذکرہ گلشن بیخار پر ایک تقریظ لکھی ہے جس میں نواب صاحب کی مدح ایک رباعی میں اس طرح کرتے ہیں۔ رباعی

آں شیفتہ کز خرد گرامی باشد ✣ سرخیل سخنوران نامی باشد
اکنوں کہ جسد نماند الّا بعدم ✣ محمود ثنای و نظامی باشد

اور پھر نواب صاحب کی سخن فہمی کی داد اس طرح دی ہے۔

ز تحسین او حسن معنی نیاز ✣ ہزار آفریں برچنیں امتیاز

مومن نے ایک معما باسم نواب مصطفےٰ خاں بہادر لکھا تھا جو دیوان مومن میں موجود ہے۔

نوا بلبل کی بے لبس کر رہی ہے ✣ بہار اک جام بے جا بھر رہی ہے
صدا بے درد قمری کی بلا ہے ✣ سر طاقت بھی جس کا نقش پا ہے
فلک کو کل نہیں بے جور و بیداد ✣ سر کی کیا ہو گو ہے فصل جز داد
کہ وہ سرو چمن امال پایاں نہیں ہے ✣ سر و اپنا تو اب امکان نہیں ہے
بہار سبز پا کے پاؤں لوٹیں ✣ کہ درد بے حد حسرت سے چھوٹیں

نواب صاحب مرحوم اور مرزا سے جس زمانہ میں تعارف ہوا وہ نہ مانہ مرزا کی شاعری کے شباب کا نہ تھا جیسا کہ مرزا نے اپنے ایک خط میں جبکہ اُن سے اور نواب صاحب سے نئی نئی ملاقات ہوی تھی نواب صاحب کی نسبت لکھا تھا "چوں دکان را کالا و زبان را حرف ہاے جگر آلا نماند۔ رونق گار گران مایہ خریداری (یعنی نواب مصطفٰے خاں) پدید آورد کہ نقد رائج سخن خود را بہ بہاے گفتار ناسرہ من میدہد و گوہر را بہ پلہ ہجاگی خزف می نہد" رفتہ رفتہ باہم نہایت خلوص و اتحاد ہوگیا تھا۔ چنانچہ وہ قصیدہ جو مرزا نے نواب صاحب کی شان میں لکھا ہے شاہد حال ہے اس میں سے چند شعر بطور تخلیص کے نقل کیے جاتے ہیں۔

آں ہماے تیز پروازم کہ بال ❊ در ہواے مصطفٰے خاں میزنم

عرفی و خاقانیش فرماں پذیر ❊ سکہ در شیراز و شروان میزنم

او خرامد مست و من چاؤش وار ❊ بانگ بر اجرام دارکاں میزنم

گاشن کوئیش گذرگاہ من ست ❊ دوش در رفتن بر ضوان میزنم

خوبی خویشش پدآموز من ست ❊ دم ز یاری می زنم ہاں میزنم

مہر ورزی ہیں کہ باشم ہمنشیں ❊ من کہ زانو پیش دربان میزنم

بشنو دے آنکہ باد آں رہ ابرو ✤ نالہ گہ در کنج زنداں میزنم
بنگر دے آنکہ کلک آنرا کشد ✤ نقش گہہ بہ صفحۂ جاں میزنم

مرزا نے "سبد چین" میں بھی ایک موقع پر لکھا ہے ؎

مصطفےٰ خاں کہ دریں واقعہ غم خوار من است ✤ گر بمیرم چہ غم از مرگ عزادار من است

کلام فارسی

نواب صاحب کا فارسی کلام حمد، تصوف، حکمت، اخلاق اور محبت کے اعلیٰ جذبات سے بھرا ہوا ہے اکثر مواقع پر غالب، مومن، صہبائی جیسے ماہرین فن نے اُن کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ ہم نے اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے اُردو اور فارسی کلام پر جو مختصر ریویو اور دیگر شعرا کے کلام سے اُس کا موازنہ کیا ہے خود ناظرین کو اُس کے مطالعہ سے حسرتی کے کلام کا پایہ معلوم ہو جائے گا۔

کلام ریختہ

شیفتہ کا اُردو کلام بھی معمولی کلام نہیں ہے۔ گرمی اور لذت کے علاوہ جو ان کے کلام میں خدا داد ہے اس میں وہ شکوہ الفاظ اور چستی ترکیب بھی پائی جاتی ہے جو کسی وقت سودا اور نصیر کا حصہ تھی اور ان کے کلام میں بندش الفاظ اور ترکیب کی روش کے لحاظ سے وہی خصوصیات موجود ہیں جن سے اُن کے اُستاد مومن اور غالب کا کلام مالامال ہے جس طرح غالب میر کی اداؤں پہ

مرتے تھے۔ شیفتہ بھی میر کی سادگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے کلام میں میر کی سی روش پیدا کرنے کے آرزومند تھے فرمایا ہی ؎

نرالی سب سے ہی اپنی روش اے شیفتہ لیکن ✤ کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

اُن کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے تھے۔ چنانچہ اپنے مقطع میں اُنھوں نے اپنی اُس کامیابی پر فخر کیا ہی۔ ؎

شیفتہ سادہ بیانی نے بہت چمکایا ✤ ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

سادہ اشعار سے جن میں میر کی جھلک صاف نمایاں ہی شیفتہ کا دیوان بھرا پڑا ہی۔ مثلاً

شاید اسی کا نام محبت ہی شیفتہ ✤ اک آگ سی ہی سینہ کے اندر لگی ہوئی

مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا ✤ قاصد وہ بہت الم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد ✤ ہم قصد سوئے عجم کریں گے

اظہارِ عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ ✤ یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ ✤ ایسی حسرت سے جو ہی گزری ہوئی الفت کی یاد

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی ✤ تھام لینا وہ تیرے محمل کو

آخر میں متاخرین شعرا غالب۔ مومن۔ سالک۔ عارف۔ وغیرہ نے بھی یہ جدّت شروع کی تھی کہ قدما کے سپید سے خیالات اور معمولی اسالیب کو لفظی اور معنوی تصرف کے ساتھ ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتے تھے اس قسم کی جدّت آفرینوں اور لطیف اور پاکیزہ تصرفات میں شیفتہ بھی اپنے اُستاد مومن خاں سے کچھ کم نہ تھے۔ ترکیبوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ تراکیب جو مومن اور غالب کا خاص حصّہ تھیں سوائے شیفتہ کے کسی دوسرے کے یہاں مل ہی نہیں سکتیں مثلاً۔

فصل گل ہی میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے ✦ توبہ تژولیدہ زیب طاقِ نسیاں چاہیے

بچتے ہیں اسقدر جو ادھر کی ہوا سے ہم ✦ واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

اے مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو ✦ باندھا ہی سوگ اُس نے عدو کی وفات کا

سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ اُن کے کلام میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اُن کی شاعری میں تہذیب کے پہلو کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا گیا ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ شیفتہ اپنے وقت کے اُستاد تھے اور انھوں نے جو کچھ کہا خوب کہا خود ہی فرماتے ہیں ؎

طرزِ سخن کہے وہ مسلّم ہے شیفتہ ✦ دعوی زبان سے نہ کیے ہیں یا کیے

اس مختصر سوانح عمری کے ذیل میں شیفتہ کے کلام پر ریویو کی گنجائش نہیں نکل سکتی اس لیے ہم اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے کلام پر ایک نظر ڈالکر تصوف، پند و حکمت، حسن معانی شوخی و ظرافت وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کریں گے جس سے وہ خود شیفتہ کی قادر الکلامی کا اندازہ کرسکیں گے۔

رقعات فارسی دیوان فارسی اور ریختہ کے علاوہ اس کلیات میں ہم نے حضرت شیفتہ کے رقعات فارسی کو بھی شامل کردیا ہے جس سے فارسی میں اعلیٰ انشا پردازی اور بلاغت کا اظہار ہوتا ہے یہ مکاتیب جا بجا تصوف سے مالا مال ہیں۔

گلشن بیخار اس کلیات کے علاوہ ان کی ایک اور مبسوط تصنیف تذکرہ گلشن بیخار ہے۔ جو اُن کے سفر حجاز سے پہلے مکمل ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ یعنی ۱۲۴۸ ہجری میں اس کی تصنیف شروع ہو کر ۱۲۵۰ھ میں ختم ہوئی اور وہ ۱۲۵۳ھ میں چھپکر شائع ہوا۔ اس تذکرہ میں اُس زمانہ کے شعرا کا اردو کلام جمع کیا گیا ہے اور کلام سے پہلے ہر شاعر کا مختصر حال اور اُس کے کلام کی نسبت رائے فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اردو کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تھا

تھا کہ اہل علم اُس کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اس لیے جملہ تصانیف
حتیٰ کہ باہمی خط وکتابت کا کام بھی فارسی ہی سے لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے
کہ شیفتہ نے بھی اُردو تذکرہ میں شعرا کا حال لکھنے کے لیے فارسی زبان کو پسند
کیا۔ شیفتہ کے زمانہ میں یا اُس کے قریب اور شعرا نے بھی تذکرے لکھے ہیں
لیکن گلشنِ بیخار میں ایک خصوصیت نظر آتی ہے جو اوروں میں نہیں پائی
جاتی وہ شعرا کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی ہے چونکہ اس سے پہلے لوگ تذکروں
میں سوائے تعریف کے تنقید دیکھنے کے عادی نہ تھے اس لیے بعض شعرا کے
مقلدین کو شیفتہ کی یہ طرز نہایت ناگوار گزری۔ نظیر اکبر آبادی کے ایک
شاگرد نے یہاں تک کیا کہ تذکرہ گلشنِ بیخار کے جواب میں ایک نیا تذکرہ
گلستانِ بیخزاں کے نام سے تصنیف کر ڈالا اور اُس میں یہ الزام کیا کہ نواب
شیفتہ نے جن شعرا کے کلام کی نسبت اچھی رائے دی تھی اُنھوں نے
اُن کی بُرائی لکھی اور شیفتہ نے جس کی نکتہ چینی کی تھی اُن کی تعریف کی۔
یعنی دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کی اور اب اس
آخر زمانہ میں جبکہ فنِ تنقید سے ہماری زبان خاصی طرح روشناس ہو چکی ہے
پروفیسر آزاد کے ولیر سید انشا کی نسبت شیفتہ کی آزادانہ رائے دیکھکر

۱؎ پروفیسر آزاد کے الفاظ یہ ہیں: مولانا مصطفےٰ خاں شیفتہ کا گلشن بیخار جب دیکھتا ہوں (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵ پر دیکھو)

کٹار کا زخم لگا ہے۔ شیفتہ نے اگر سید انشا کی نسبت یہ لکھ دیا کہ۔

"دیوانے دارد مشتمل بر اصناف سخن و ہیچ صنعت را بطریقہ راسخہ شعر انگفتہ۔ اما در شوخیٔ طبع و جودت ذہنی او شکے نیست"

تو کیا گناہ کیا۔ مولانا آزاد نے سید انشا کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوئے دربار لکھنؤ کی حالت دکھا کر یہ ثابت کیا ہے کہ انشا ہزل گوئی پر مجبور تھے۔ گویا اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ انشا کا کلام مجبوریوں کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا جو پائے اعتبار سے ساقط سمجھا جاتا تھا۔ آخر میں انھوں نے اپنی بات کو میاں بیتاب کا یہ قول لکھ کر ختم کیا ہے "سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا۔" شیفتہ نے بھی تو یہی کہا ہے۔ کہ

"ہیچ صنعت را بطریقہ راسخہ شعر انگفتہ" اب رہی یہ بات کہ سید انشا نے دوسرے اساتذہ کے خلاف روش کیوں اختیار کی اس کے وجوہ لکھنے سے کلام کی نوعیت میں فرق نہیں آسکتا۔ اور اس لیے ایک بے لاگ تذکرہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) تو خار نہیں کٹا، کانٹا زخم دل پہ لگتا ہے (تذکرہ آب حیات صفحہ ۲۶۲)

نویس کو وجوہ کی تلاش میں سر کھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال تذکرہ گلشن بیخار کی بے لوث رائیں کسی خاص گروہ کی آنکھوں میں کھٹکیں لیکن وہ اپنی آزادانہ تنقید کی وجہ سے آج جبکہ اُس کی اشاعت کو اسّی برس گذر چکے ہیں اُسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس نظر سے اسے مرزا غالب[۱] جیسے شخص نے دیکھا تھا۔

برہ آورد اگر ہم نواب صاحب کے سفر نامہ حجاز کا ذکر نہ کریں جس کی مدد سے ہمیں آپ کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں تو ناانصافی ہوگی یہ سفر نامہ موسومہ "ترغیب السالک الی احسن المسالک یا "برہ آورد" فارسی زبان میں

---

[۱] نواب صاحب نے اپنے مراسم کے لحاظ سے اس تذکرہ کا مسودہ چھپنے سے پہلے مرزا غالب کے دیکھنے کے لیے بھیجا تھا اس کو دیکھکر مرزا صاحب نے نواب صاحب کو جو خط لکھا تھا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اُسے کسقدر پسند کیا تھا۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں "تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامے را النقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار" مرزا صاحب نے اس تذکرہ کی تقریظ بھی لکھی تھی جس کا اقتباس یہ ہے "ہما نا نواب ہمایوں آثار والاشان و خان فرو ہیدہ فرہنگ پسندیدہ گفتار آزادہ وارگرامی دانش اندوز و سخن گوی گرامی نہاد و مبارک نفس و دولت مہر پیشہ و فاگو ہر نواب مصطفےٰ خاں بہادر کہ گلبن خیالستانش فرشتہ بلبل است و چراغ فکرستانش پری پروانہ سخنش سرخوشی را بادہ بہ بخش و افسردگی را زہر ملاہل رقمش افسوۃ گدہ مہر و بستہ بال وبہ آشوب گاہ رشک دشمن کاہ بہ فراہم آوردن تذکرہ ریختہ گویان قدسی انجمنی بہ آراستہ و از تار پود فیض ازل و حیات ابد نو آئین بخطے بدان بزم در افگندہ"

اس موقعہ پر مفتی صدر الدین صاحب کی تقریظ کا اقتباس بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین ان دونوں مشاہیر کی رایوں کا اندازہ کرسکیں وہ لکھتے ہیں "وچگونہ چنیں نباشد کہ فراہم آوردہ سرآمد (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ ہو)

لکھا گیا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب جس طرح فن سخن میں ید طولے رکھتے تھے اسی طرح وقائع نگاری کے انداز کو بھی خوب جانتے تھے آپ کا سفرنامہ کس اصول پر لکھا گیا ہے اس کا حال آپ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے جو سفرنامہ مذکور میں ایک بزرگ کے حالات دوران میں آپ نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶) سخنوران یعنی گلشن انتخاب مجموعہ کمال و ہنر شاہ بیت سفینہ فالبیلا و استعداد بیت القصیدہ دیوان فضل و کمال خداداد فاتحہ صحیفہ کاملہ دولت و اقبال بسملہ نسخہ جامعہ محاسن شیم و مکارم خصال سواد خوان رموز و اسرار و سواد و بیاض گزین فیض بافتگان مبدار فیاض نسیم جانفزائے گلشن سخن طرازی بشمیم نافہ کشای گلہائے چمن نکتہ پردازی والا فطرت بلند ہمت پاک نہاد نیکو روش قدسی نژاد صفوۃ منش پاکیزہ طینت روشن ضمیر کامل فرہنگ عدیم النظیر فہم مجسم ادراک مشکل نواب مصطفےٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ است لآلی منثور سخن طرازان را از نظم او پایہ بلند است و ریاحین منثور نکتہ پردازان را از فراہمی او پایہ ارجمند" حضرت مومن نے اس تذکرہ کی داد ایک قطعہ تاریخ لکھ کر دی تھی جو یہ ہے:-

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا — ہے شیفتہ جس کے جانِ معنے
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا — کوئی نہیں قدر دانِ معنے
افکار بلند سے بنایا — ہے چرخ پر آسمانِ معنے
ہر فقرۂ نثر جانِ مضموں — ہر شعر رواں روانِ معنے
کیا بات ہے منتخب کی تیری — اے منتخب جہانِ معنے
ہر لفظ انتخاب تیرا — خالِ رخِ دلبرانِ معنے
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز — الفاظ کا پایہ شانِ معنے
معنے ہیں ثنا طرازِ الفاظ — الفاظ ہیں مدح خوانِ معنے
اے تازہ بہارِ باغِ مضموں — اے گلشن بے خزانِ معنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ ہو)

تحریر فرمایا ہے "ایک کامل العقیدت صائب الرائے نے اُن کی خرقِ عادت کی ایک نقل میرے سامنے بیان کی میں نے قصد کیا کہ اس کو لکھوں لیکن چونکہ میری عادت عجائبات لکھنے میں بہت احتیاط ہے لہذا میری طبیعت نے مجھ کو لکھنے سے باز رکھا۔"

آخری زمانہ میں جبکہ اُن کے ہمعصروں کا شمار رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جاتا تھا آپ نے عزلت گزینی اختیار کر لی تھی اور سوائے یادِ الٰہی کے اور کچھ شغل نہ تھا اکثر مزارات پر حاضری کا معمول تھا چنانچہ سبزی منڈی دہلی میں ایک بڑے بزرگ کا مزار ہے جو حضرت شاہ آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب واقع ہے وہاں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت شاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷)

ہے تذکرہ ریاضِ فردوس	❊	فردوس ہے یا جنانِ معنے
مومن نے جب اسمیں دیر تک کی	❊	سیرِ گل و ضیمرانِ معنے
آیا ہے خیالِ سالِ اتمام	❊	تھا وہ بھی تو باغبانِ معنے
غنچہ کی طرح سے سر فرو تھا	❊	یک چند وہ ہمزبانِ معنے
جب نغمہ سرا نہو سکا وہ	❊	دستان زن داستانِ معنے
ہاتف نے کہا ہے اس کی تاریخ	❊	گلدستہ گلستانِ معنے
		۱۲ ۵۰

باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر اکثر تشریف لیجاتے تھے۔ یا دہلی کے مشہور علما سے صحبت رہتی تھی۔ دنیاوی معاملات سے قطعی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی تمام ریاست کا کام اپنے فرزند اکبر نواب محمد علیخاں صاحب کے سپرد کردیا تھا۔ ہندو روسار دہلی آپ سے نہایت خلوص رکھتے تھے اور وہ آپ کو اپنے یہاں شادیوں میں باصرار بلاتے تھے لیکن جس وقت آپ تشریف لیجاتے تھے تمام ناچ رنگ موقوف ہوجاتا تھا۔

معاصرین کی رائیں

نواب صاحب اور مرزا کی فارسی دیوانوں میں بعض غزلیں ایک ہی قافیہ ردیف میں ملتی ہیں جن کے مقطعوں میں دونوں نے ایک دوسرے کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً نواب صاحب فرماتے ہیں۔

اے حسرتیؔ اہمیت غالب کہ از غزل ٭ آں کار می کند کہ بافسوں نہ کردہ کس

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب ز حسرتیؔ چہ سراید کہ در غزل ٭ چوں او تلاش معنی و مضمون نکردہ کس

سچ تو یہ ہے کہ مرزا غالب نواب حسرتیؔ کی سخن فہمی و سخن سنجی کے استقدر معتقد تھے

کہ ان کے نزدیک نواب ممدوح کے پسند شعرا کے حسن و قبح کے معیار بھی تھے فرماتے ہیں۔ ؎

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او ✽ ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

مرزا غالب مرحوم کی پنج آہنگ میں اُن کے بعض رقعات[1] ملتے ہیں جو انھوں نے

---

[1] حضرت سلامت۔ مرا کہ زبان در ستایش بیقرار است تا بیند در سگالش گستاخ۔ امید کہ در آں پایہ بزمرۂ خوش ستایاں گویاں شمردہ نشوم و بدیں مایۂ جرأت بزہ مند نگردم۔ بنا بیزد تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامی را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار، رہرو نظر چوں بہ پیدا سے کنا منا پیدا سے ذوق سخن گام تماشا بردارد توشۂ ہوا ازیں بر کمر نتواند بست قصہ با ایں جگر تشنگی کہ سکندر داشت لبش برشحہ آبی تر نتوانست کرد و آں آب از در یا بخشیدن ایدون شما گوہر را از دور و نزدیک بسخن زندگانی جاوید بخشیدید و ایں لختی از عمر بکار دیگراں کردنست جاودان زندہ باشید کہ سخن گویاں از شمار زندۂ جاوید شدند و ہمکنا نرا بہ نکوئی نام بر آمد یاری گہر سفتن و جامہ گوہر بن گشتن۔ نامہ در ردیف الف بنگارش اشعار پرویں نثار حضرت آزردہ از چہ رو ست ہرچند ذکر خدام بچنیں مقام در جریدۂ ایں فن نہ سزاوار شان فضیلت باشد لیکن اگر مقتضا سے فرط محبت چراغ بکار بیروفتند گناہی نبود و در تلافی آں بپوزش نیاز می افتادہ ہم در ردیف الف در باب گذارش حال حضرت آشوب فرو ماندہ کشاکش خیالم یعنی بدانستہ نامہ نگار آشوب از اعیان سادات ایں دیار و نامش میر امداد علی و نام پدرش میر روشن علی خاں است و دریں نسخہ بامداد علی بیگ مذکور شدہ چشم آں دارم کہ اندریں ہر دو باب بدل نشیں پا سخ ... ...

در رقعہ دیگر بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو

نواب صاحب مرحوم کے نام لکھے تھے ان خطوط میں نواب صاحب کی شاعری اور سخن سنجی کے متعلق مرزا نے اپنے دلچسپ ریمارک دیے ہیں علاوہ ازیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) "بنواب مصطفےٰ خاں بہادر۔

فرد۔ مردم ز فرط ذوق تسلی نمی شوم + یارب کجا بہم لب خنجر ستائی را

سحرگاہیست کہ دلم از درد شانہ چنانکہ موسِن مہر پیشہ از رنج ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود و ستم از اشکم بیتابی دل رعشہ دار فرخندہ گسر وشی از در در آمد و بسپردن بہار سامان نامہ گل بجیب تمنا ریختن ہر چند نامہ سپاس امید را کیمیا و دیدۂ جان را توتیا آورد و تارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را از نور بخشید۔ لیکن از انجا کہ آں قدسی سفادہ صفحہ از شعر و غزل چوں نامۂ اعمال زاہد از ذکر می و شاہد سادہ بود دل سود از دہ بداں نیاسود و خمارم بداں یک دو جرعہ صہبا نشکست گفتم ہی ہی بمژدہ دیدارے کہ دل بہ نشاط آں تواں بستن و نہ کرشمۂ غزلی کہ لب بزمزمہ آں تواں کشودن۔ ہر چند در از نفسے خواہش در آغاز حال بخروشم آوردہ بود و میخواست کہ خواہی نخواہی غبار نالہ بہ پردۂ گوش الہام نیوش نشاند۔ اما دور اندیشی فطرت با خودم در ستیزہ افگند و پس از اں کہ بر افتادن پردہ از روے کار و آشکار اگشتن راز نارسائی فہم و ناتمامی دانش من بہ ہم نقصان خاطر شان من شد۔ مرا از آہنگ عربدہ باز آورد و مہر خموشی بردہان نہاد"۔ .... (رقعہ دیگر)

ولی نعمت طوطیان شکر خا سلامت۔ ہنوز گل افشانی گلبن التفات شش جہت را بہ غالیہ بیزی بوئے گل فراگرفتہ بود و بعنی نشاط ور۔ و دبہاریں صحیفہ از دل بدر نرفتہ بود کہ نخل برومند لفظ افشاندن بار آغاز کرد و رسیدن ہشت اسبد انبہ در روضہائے فردوس بروی آرزو باز کردنہے انبہ ہاے پاکیزہ شیریں از بیرون سو بشیر شستہ و از درون سو بشکر انباشتہ بتازگی آب از چشمۂ خضر و با دانہ دم مسیح خوردہ و بشیرینی گوے از شکر و دل از خضر و بردہ بہ پاکیزگی گوہر آب روے (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ پہ ملاحظہ ہو)

ان خطوط سے نواب صاحب ممدوح کی زندگی کے متعلق بھی بعض حالات پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) خانوادہ ابر و ہوا۔ و بہ و لاویزی پیکہ چشم و چراغ دودہ برگ و نوا ابر نیساں تا ایں گراں ارز ثمر دست مزد عرق ریزی سعی بجست دفتر از حساب زیاں زدگیہای روزگار گہرسازی نتوانست شست انگور اگر در ریشگی دانستی کہ آب کشتن و بادہ تاب کشتن دیگر است و چاشنی خدا آفرید ایں شیرہ پاک دیگر ہرگز آب نخوردی و بار نیاوردی تا دریں ساختگی ہر دم در دسر ندادی نیشکر اگر در آغاز کار و ار سیدی کہ بگونہ گون فشار در آمدن و بسعی دیگراں بہ قوت تنگ شکر بر آمدن دیگر است و گوارائی ازل آورد۔ ایں میوہ نغز دیگر ہرگز سر از خاک بر نکردی و با ندازہ درازی بالائے خویش بخاک فرو رفتی تا دریں نموداری بابلہی انگشت نما نشدی اینچہ خامہ شکر فشاں بداں رفتہ کہ ازیں ثمرہائے بیا سرش یک نیمہ پختہ و نیمہ دیگر ہنوز خام است۔ سبحان اللہ اگر میوہ طوبیٰ و ر پختگی بدیں رنگ و در خامی ایں چنیں غالیہ فام است من ضامن کہ بہشتیان بیادہ طہور نگرایند و سبز پوشان آں روضہ نتوانند کہ دل از ہیچکس بایند۔ گفتنم اینچہ بہ پختگی زرد گر دیدہ کرشمہ کارسازی عنایت است کہ کارے نوازیان بفرو ا گزاشت و اینچہ پیش از رسیدن رسیدہ اشارہ بجز گرمی ذوق است کہ درنگ در دلجوی روا نداشت۔ دل گفت ہما نا اینچہ بہ پختگی زرد گردد نہایت شوق است کہ من بداں خرسندم و خورسندی من فراوان باد و اینچہ پیش از رسیدن رسد مژدۂ وصل ست کہ من بداں آرزومندم و دوست مرا بر زباں باد فقط"۔ .... (رقعہ دیگر)

نامہ بنام نواب محمد مصطفٰے خاں بہادر۔ جان را از تن سپاس و خواجہ را از بندہ نیایش۔ روز ادینہ چوں شب شد بزم سخن آراستند از ان رو کہ غزل نگفتہ بودم از شرم تہیدستی پیر در پیش داشتم در فتن با انجمن مضمونی بود کہ ہرگز بخاطرم نگزشت و الاجاہ نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالےٰ دو فرشتہ بر من گماشتند زین العابدین خاں عارف و غلام حسن خاں مجو یعنی ایں ہر دو ابرام پیشہ شام گاہ بخلوت کدۂ تنہائی من آمدند و فیل آوردند و بداں ساں کہ شیر را چوں شکار کنند بر فیل بار کنند مرا با انجمن بردند۔ دیدار مخدوم و معظم و صدر اعظم مولوی صدر الدین خاں بہادر تلافی رنج راہ کرد بارے صرفہ رہروان دراں بود کہ مولانا صہبائی قدم رنجہ نفرمودہ بودند غزل مولانا صہبائی در زمین طرحی دو سہ بیت دلنشین داشت بالجملہ چوں غزلخوانی سر آمد گرہا نم نمی آید در بحر ہزج مثمن سالم کردند از یاران سبت میرزا زین العابدین خاں عارف و جواہر سنگھ جوہر در زمین طرح دو غزل خواندہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ

روشنی پڑتی ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم[۱] نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں جہاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) نقش لغزگوئی بکرسی نشاندند۔ من بغزلی کہ ہمدراں روز گفتہ بودم زمزمہ سرائے آمدم۔ غزل۔

صبح شد خیز کہ رو داد اثر بنمائیم ٭ چہرہ آغشتہ بخوناب جگر بنمائیم فقط

نامہ نگار اسد اللہ نگاشتنہ پنجشنبہ بست و سوم مارچ ہنگام نماز عصر کہ ابر قطرہ فشاں بود و ہوا انگیز بارہ فقط

امید گاہا۔ دی ادینہ روز بود و لوید بزم سامعہ افروز۔ شامگاہ ہماں دو فرخ سروش از در درآمدند و مرا بانجمن بردند۔ میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چوں بہ بخور بودند نیامدند کس بخدمت حضرت آزردہ فرستادہ شد اگرچہ دیر آمدند اما آمدند۔ دلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمین گریستن نگار من قصیدہ اتفاق افتادہ بود۔ آں می سنجیدم کہ ورق را چوں برات نامقبول باز برم در ریختہ گویان را در دسر ندہم۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بجو دبالید و زبان بزمزمہ دستوری یافت صہبائی نیز ناخواندہ حاضر بود و در زمین گریستن غزلی انشا کردہ۔ چوں قصیدہ مرا شنود ہ خجل شد و از گفتۂ خود لختی خواندہ درگذشت۔ امروز در بند آں بودم کہ قصیدہ بر ورقے بنویسم بہ پرستاران در دولتکدہ فرستم تا نیمروز فرصت نگارش دست بہم نداد ہنگام نماز پیشین بود کہ صہبائی و فتاح باہم آمدند آنرا اگر بہ در آستیں واین را گلدستہ در دست بر ید فرخندہ نامہ بمن سپرد و رفت و ابر باریدن آغاز کرد ابر قطرہ می ریخت و من آرزو ے نامہ گہر سنجیدم تا اینکہ کلبہ ام از آب و دامنم از گوہر نایاب پر شد زہے غزل و خوشا غزل پایہ ایں زمین را بآسماں بردہ اند و سخن را بنوازش زمینیان از آسمان فرود آوردہ سخن سرودن حق شماست اگر ابروے ستودن داشتہ باشیم بر خود نازمی توانیم کرد نہ یادہ نہ یادہ فقط‘‘

رشک طالب و فخر غالب سلامت۔ قصیدہ گریستن با آنکہ از دلم فرمان رسیدہ و از زبانم بدر تراویدہ و پنہاں در دل جا دارد۔ بمشاہدہ غزلی کہ امروز بمن رسید ہم از دل رفت و ہم از نظر افتاد۔ زہے غزل و خوشا غزل اگرچہ نارسا بیان و کج مج زبانم۔ اما اگر ہر بیت را جداگانہ بیک قصیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ ہو)

[۱] سرسید مرحوم سے اور نواب صاحب سے ہمیشہ دوستانہ مراسم رہے علیگڑھ میں جب سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد سرسیّد نے رکھی تھی تو نواب صاحب بھی اس کے ممبر ہوئے تھے۔

شعرائے دہلی کا ذکر کیا ہی - نواب صاحب کا کلام بھی لکھا ہی اور ان کی ثنا وصفت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳) ستایم میتوانم آه ازین مقطع وداد - ازین مقطع زبان ستایش این مقطع کراست با آنکہ در سخن
ہوا خواه و آفرین گوی شما ستم مرا بر شما بر شک آورد و جادوان ماہند کہ پیکر سخن را جاہند - درین مشاعره کہ گذشت
خاک زمین گیر من غبار چشم ریختہ گویان نگشت - غزل خود یک ہفتہ پیش از روز غزلخوانی گفتہ - بخدمت حضرت
آزرده دام لقاوه فرستاده ام و سرآں داشتم کہ چوں بنامہ کامیاب گردم و آنرا پاسخ نگار شوم در نگارش
ہماں غزل سرمایۂ من باشد امروز کہ اولا نامہ رسید ہمیں دم بہ پاسخ نگاری نشستم و تا ورق بپایان نرسید
نان نخوردم * فرد - دیدم آں ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم * خود ہماں شور است کاندر زیست در سر داشتم والسلام"
(رقعہ دیگر نظم)
تا آں خواجۂ بے پروا * من بندہ کہ غم ناکم * وز غصہ جگر چاکم * خواہم سخنی گفتن * آں روز کہ میرفتند * آں نامہ فرستادند
کز دیدن آں خوں شد * دل تا جگر از اندوه * گفتم چہ کنم غالب * چوں کار دگرگوں شد * می بایدم اینک
رفت * تا عذر سخن خواہم * چوں گرد و غباری بود * رفتن نتوانستم * امروز بشام آمد * لا بلکہ سیہ تر شد -
سرمانده ببالین بر * چوں غم زدگاں خفتم * ہی ہی چہ تواند خفت - آں خستہ کہ غم خوارش - بر زخم نمک
پاشد * وز دیدہ بیدارش * شوراہہ رواں باشد - چوں از افق شرقی * خورشید درخشنده *
ناگاه سری برزد * آتش بجہاں درزد * مرغ سحری پرزد * رفتم بجگر کاوی * واں راز نہانی را *
از دل بزبان دادم * در خلوت تنہائی * بے پرده چو ہمرازاں * نے آمد و ہمدم شد * چندانکہ دم
اندر نی * از مہر دمیدم من * چوں من بنوا آمد * وآں نالہ کہ بر لب بود * از باطن نے سر زد * آندم
کہ نفس باقی * زیں گونہ کشاکش کرد * یک کاغذ نونوشتہ * بود است بدستم در * چوں نالہ نمودی داد
زاں شعلہ کہ دوری داشت * بر صفحہ نشاں ہا ماند * گفتم نگر این صفحہ * غمنامۂ رازستی * فہرست نیازستی *
باید کہ فرو پیچم * وانگہ بہ نشان سندی * نزد خواجہ رواں سازم * کوتاه کنم گفتن * آں نامہ کہ من گفتم * حجاب درد الا
برو ندو رواں کردند * ہر چند در اندیشہ * پیداست کہ خوش باشد * با خواجگی استغنا - با این ہمہ خوش
بنود * پوزش نپذیرفتن * دیروز سحرگاہاں * روشن گہر آں نیر * کش روح رواں دانم * بل خوشتر از جاں
دانم * دیوان نظامی را * آورد بسوئے من * زیں گونہ نوا ہا بود * در پرده گفتارش - کز ذوق بہ نجارش * ایں
زمزمہ سر کردم * لالہ اکبر خاں خوانند سلام از من" فقط - (ماخوذ از پنج آہنگ غالب)

ہیں جو نثر لکھی ہی وہ اگرچہ مبالغۂ شاعرانہ سے پُر اور خیالات کی بلند پروازی سے مملو ہی لیکن چونکہ وہ اگلے وقتوں کی اُردو زبان کا نمونہ ہی اور اِس طرز کی اُردو میں غالباً سرسید کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اس لیے تبرکاً اس کا وہ اقتباس جو نواب صاحب کے متعلق ہے درج ذیل کرتے ہیں۔

"باوجود نازو نعم و ثروت کے مشق سخن کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہی کہ قلم تردد سے نہیں آسودہ ہوتا اور فکر تلاش سے بلبل کی سجع خوانی اور قمری کی فصیح بیانی اُنھیں کی نستعلیق گوئی سے مستفاد ہی۔ یہ پایہ فصاحت کا اور سرمایہ بلاغت کا خداداد ہی۔ اگر رنگینی مضامین کی گل کو رنگ۔ اور لطافت عبارت کے گوہر کو آب نہ دے۔ بلبل کا عشق کامل اور تاج سلاطین کی زینت تمام نہ ہو۔ انتخاب اُن کے کلام بلاغت نظام کا اس مقام پر سرمایۂ فرحت اربابِ نظر ہی۔"

تذکرہ شعرائے ہند میں جو مولوی کریم الدین مرحوم نے ۱۲۶۴ ہجری میں تالیف کیا تھا نواب صاحب کا ذکر الفاظ ذیل میں کیا گیا ہے:-

"شیفتہ تخلص نواب مصطفی خاں خلف الصدق عظیم الدولہ سرفراز الملک

نواب مرتضے خاں بہادر کا ہی - یہ صاحب ذی وذہن ہیں - امرائے شاہجہاں آباد
سے بڑے امیر ہیں - شاگرد حکیم مومن خاں کے اکثر اشعار ان کے
بہت اچھے ہوتے ہیں - ایک تذکرہ گلشن بیخار انھوں نے
شعرائے اُردو کا اس طور پر لکھا ہے کہ حال سب شاعروں کا فارسی
میں شعر اُس کے اُردو ہیں -

یہ تذکرہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں تیار ہوا تھا - دو دفعہ مولوی محمد باقر کے
چھاپہ خانہ میں چھپ چکا ہے - ایک دیوان بھی اُن کا میں نے سُنا ہی
کہ تیار ہوا ہی"

تذکرہ گلستانِ سخن میں جو مولانا امام بخش صہبائیؔ کے شاگرد شہزادہ مرزا
قادر بخش صاحب کی تالیف سے ہی - نواب صاحب کا حال اس طرح لکھا
گیا ہے -

بہ در پیشی ثنائے مصطفٰے خاں سکی آئے ✤ خوشامد گوشہ تارک حشمت درمیاں بینی

علوم رسمی سے کماینبغی آگاہ - اور فنون متداولہ میں کامل دستگاہ - اصناف
سخن میں قدرت تمام - اور فنون شتّٰی میں مہارت تام کمال مرتبہ شناسی سے
ہر سخن اپنے موقع میں اور ہر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر جس طرح تیغ ہندی

ریختہ شاہدان شنگول کے غمزہ سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہی۔ اسی طرح
بادہ شیراز فارسی خوبان سیاہ مست کی چشم سے زیادہ ترخمار شکن ہی اور جیسے اُس تیغ آبدار
کے سلح شور اس شہسوار ہنر کو شیفتہ نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس بادۂ صاف کے سرمست اُس مے
گسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ہیں۔ جو کثرت اوصاف مہر دہاں اور وفور محامد
بند زبان ہی۔ ناگزیر نظر بر اوصاف اور ذکر مدایح سے تحریر افکار گوہر نثار پر قناعت
کرتا ہوں۔

وفات | ۱۸۶۹ء میں جبکہ عمر گرامی کا تریسٹھواں[۶۳] مرحلہ تھا آپ کا وصال ہوا اور دہلی میں
حضرت سلطان المشائخ مولانا سید نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں
اپنے جد امجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ ذیابیطس کا مرض پہلے سے تھا وقت آخر
ہاتھ میں ایک کالا دانہ نکلا تھا وہی موت کا بہانہ ہوا۔ اپنا کفن بیت اللہ شریف
سے ہمراہ لائے تھے اُسی میں کفنائے گئے۔ وفات کے دن جس روز سفر آخرت
درپیش تھا اعزا علاج میں مصروف تھے ڈاکٹر نے ایک نسخہ تجویز کیا جس میں پوٹ وائن
شامل تھی جس وقت یہ نسخہ لکھا جا رہا تھا نواب صاحب نے فوراً ہی آنکھ کھولی اور حاضرین
سے کہا کہ میری روح کو اس وقت بڑا صدمہ ہو رہا ہی۔ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہی؟ اس پر
صاحبزادہ محمد علی خاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم سے ایک گستاخی ہوئی ہی یعنی

ایک ایسا نسخہ لکھوایا گیا ہے جس میں پوٹ وائن شامل ہے فرمایا کہ "الحمدللہ! وقت پر اطلاع ہوگئی۔ اور موقعہ نہ ملا کہ اس نسخہ کا استعمال کیا جائے" اور یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ کا شکر کرنا کہ اُس نے آخری وقت میں تمھارے باپ کو گمراہی سے بچالیا۔ کہ اُسے اپنی صحت کے لیے احکام شرعی کی خلاف ورزی کا موقعہ نہ ملا"

آپکی وفات[1] کی تاریخ کلام پاک (سورۂ دہر) کی اس آیت سے برآمد ہوتی ہے۔

"وَجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا" یہ مادہ تاریخ مولانا حالی مرحوم و مغفور نے اسی زمانہ میں نکالا تھا جو آپ کے مزار مبارک پر کندہ ہے۔ فقط خاکسار

نظامی بدایونی

۲۲- نومبر ۱۹۱۵ء

---

[1] آپ کی وفات کے متعلق دیگر قطعات تاریخ ہمیں مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی مدظلہ سے ملے ہیں جو یہ ہیں۔

(از جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم انصاری پانی پتی)

چو رفت از جہاں مصطفےٰ خاں امیر ✤ کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع
خداوند تقوی خداوند زہد ✤ فقیر آشنا سالک راہ شرع
شد از وفات آں سپے سرو پا تمام ✤ وقار - کریم - بذل و - تقوی و - ورع

۸۰ ۲۰۰ ۴۰۰ ۱۰۶ ۲۰۰

سنہ ۱۲۸۶ھ

(از جناب خواجہ امداد حسین صاحب مرحوم متخلص بہ مظہر پانی پتی)

چوں رئیس ابن رئیس نامدار ✤ کرد رحلت زیں جہان بے بقا
سال تاریخ وفاتش فی البدیہہ ✤ ملہم غیبی بمن کردہ عطا
کز سر رازی بباید گفت ایں ✤ رحمت حق بر محمد مصطفےٰ

سنہ ۱۲۸۶ھ

کلام ریختہ پر ایک نظر

نواب صاحب کا دیوان ریختہ محض غزلیات کا ایک مختصر مجموعہ ہے اصنافِ نظم میں سے کوئی اور صنف اس میں نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ریختہ کو اپنا خاص فن نہیں بنایا تھا کہ ہر صنف پر توجہ فرماتے۔ جو کچھ کہا گیا ہے صحبت احباب کا نتیجہ اور عہد شباب کا تحفہ ہے۔ جب سے حلقۂ صوفیہ باصفا میں داخل ہوئے تو اشغال و افکار باطنی نے فکر سخن سے دل سرد کر دیا اور اس فن کو تضیع اوقات کا موجب سمجھنے لگے۔ اثنائے غزل میں کہیں کہیں قطعہ بند اشعار بھی آگئے ہیں ان میں سے دو قطعے یہ ہیں۔ جن سے بیان کی وسعت ظاہر ہوتی ہے اور سلسلۂ سخن ایسا مربوط ہے کہ جب تک نتیجہ نہیں سن لیتا سامع کی توجہ قائم رہتی ہے۔

(۱)

کہا کل میں نے اسے سرمایۂ ناز — تلوّن سے بھی تم کو مدّعا کیا

کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں — کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں — کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں — کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں | کبھی یہ غمزہ ہائے جاں فزا کیا
کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی | کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا
کبھی بے جرم یہ آزردہ ہونا | کہ کیا طاعت جو پوچھوں میں خطا کیا
کبھی اس دشمنی پر بہر تسکیں | پے ہم جلوہ ہائے دل ربا کیا
یہ سب طے حال اس نے سن کر بے تکلف | جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا
ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم | کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

(۲)

ساقی کو میکدہ میں سر نای و نوش ہی | صوفی کو خانقہ میں سر وجد و حال ہی
عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز سے | معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی
منظور ہی حکیم کو ہر شی کی معرفت | حالانکہ اپنی معرفت اس کو محال ہی
ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی | ہر بات منطقی کی مراو جدال ہی
ارباب حکمت نظری کو عمل نہیں | اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہی
جن کو کہ دست گاہ ہی فن نجوم میں | عمران کی صرف زائچہ ماہ و سال ہی
ہیں بعض لوگ درپئے اسراف رات دن | بعضوں کو روز و شب سر توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخرِ نسب لذیذ
بعضوں کو ذوق دعوئ فضل وکمال ہے

مفلس کو فکر ہے کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریق لجۂ بیم و زوال ہے

جو ہیں حریص سیرِ چمن ان کو بزم میں
ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہے

جی میں کسی کے خواہشِ آرایشِ لباس
دل میں کسی کے حسرتِ جاہ جلال ہے

کوئی طلب میں اشہبِ گلگون نظیر کی
کوئی اسیرِ شوقِ شکارِ غزال ہے

کوئی فدائے قامتِ آفت خرام ہے
کوئی خرابِ نرگسِ جادو مثال ہے

ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں
بے وجہ کوئی خوش ہے کسی کو ملال ہے

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہے

طرز مومن خانی

اگرچہ حضرت شیفتہ کو کلام ریختہ میں مومن خاں مرحوم سے نسبت تلمذ تھی لیکن انداز سخن میں استاد کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ایک طرز خاص رکھتے ہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نرالی سب سے ہے ای شیفتہ اپنی روش لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوۂ ہا میر پھرتی ہے

پھر بھی استاد کی روش خاص ہیں جو کچھ فرمایا ہے وہاں دونوں کے کلام میں فرق

دشوار ہی ۔

شمیم زلف یہ ہی ہی تو وحشت دل نے | کب انتظار کیا موسم بہار جیں کا
یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں | طول امل جواب ہی زلف دراز کا
آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں | جان کو دشمن کی ہیں رو یا کیا
ہاں سباحت ف ملاد ان گہاں عرض نیاز | سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا
اُن سے نازک کو کہاں گرمی صحبت کی تاب | بس کلیجا نہ پکا اسے طبیع خام اپنا
اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا | دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا
دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہات | جس ہات نے کہ جیب کو دامن بنا دیا
لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب | ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا
کب ہمیں حاجت پرہیز پڑی | غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا
اُس سے میں شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا | کیا کروں تمھارے دلمیں سوزیاں پر آیا
نہ دیا ہائے مجھے لذت آزار نے چین | دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات | مرغ سحر نے دھوم مچائی تمام شب
میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو | بزم دشمن میں نہ آؤں کیوں کر
زندگانی سے خفا ہوں اپنی | پھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

وضع حفظ ہی تو عشرتِ صحبت معلوم
رنگیں ہی بیگنا ہوں کے خوں سے سوادِ شہر
ہر چند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنّا
بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھ کر
کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے

بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں
حالانکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے
یہ اہلِ مروّت ہیں تقاضا نہ کریں گے
کہا جو ڈر ہی مجھے ایسی مہربانی سے

تصوف

تصوف بھی مضامین غزل کا ایک دلاویز عنصر ہے۔ بعض شعرا اس مضمون میں تقلید اً ورسماً طبع آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن حضرت شیفتہ کا یہ خاص مشرب ہی اور اس باب میں جو کچھ فرمایا ہی اُس سے رنگ تحقیق تراوش کرتا ہی غالباً کوئی غزل مضامین تصوف سے خالی نہیں۔ اُس میں سے چند شعر اس موقع پر ہدیہ ناظرین ہیں۔

پیمانِ ترک جاہ لیا پیرو ہر نے
وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے

پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا
نہ رنگ ہی متغیر ہوا اہلِ تمکین[۵۱] کا

۵۱ صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اہل تمکین وہ ہیں کہ ایک حال پہ قائم ہو جاتے ہیں اور اہل تلوین وہ ہیں جن کی حالت واردات کے موافق متغیر ہو جاتی رہتی ہے ۔ ۱۲

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہی کاسۂ شکستہ ہیں جامِ دو نیم کا

یاں خارِ خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالمِ شہود ہی آئینہ ذات کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے
غلط شوق ہی جنس نایاب کا

کل نغمہ گر جو مطربِ جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس عقل و خرد کا پتا نہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال جوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

وجد کو زمزمۂ مرغِ سحر کافی ہے
شیفتہ نازِ مغنی و مزامیر نہ کھینچ

جو بات میکدے میں ہی اک اک زبان پہ
افسوس مدرسے میں ہی بالکل نہاں ہنوز

میکدہ یا بتخانہ سے حلقہ مردانِ خدا مراد ہوتا ہے اور میکش سے سالک اور مے و بادہ سے کیفیات قلبی - ۱۲

اکثر ہوا ہے مجھکو سفرِ در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکۂ آسماں ہنوز

اس شعر میں لفظاً کوئی صراحت نہیں لیکن حقیقت میں یہ نعت ہی رسول کریم صلعم کی - ۱۲

بتخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

برق سے تجلیاتِ جلال و جمال مراد ہیں اور خار و خس سے تعلقات کونی - ۱۲

عبث ہی شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
وجد میں لائے اہلِ درد ہمیں
قسمت اُس کی خبر نہو جس کو
اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہی الگ
پیرِ مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
کچھ درد ہی مطربوں کی لَے میں
بدمست جہان ہو رہا ہے
میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں
مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزا میر شیفتہ
جام مے دے کہ وہاں کام پڑا ہے مجھکو
ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
ہر شغل میں اہم ہے نگہبانیِ نفس
واقفِ اسرارِ معانی سے
ہم آئے ہیں جہاں سے اُسی کا خیال ہے

ملے گا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش
باد کے ساتھ خاک ہے رقاص
عام اس دور میں ہے بادۂ خاص
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال
اکثر شراب پیتے ہیں صحراؤں میں ہم
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نَے میں
ہے یار کی بو ہر ایک شے میں
بزمِ جمؔ بارگاہ کَے میں
کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں
ورنہ کبھی سماع مجرد سُنا کروں
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں
محفلِ بادشہ سے عار نہیں
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں
جز شاخ سدرہ ہم کو سرِ آشیاں نہیں

قطع نظر جو نقش و نگار جہاں سے ہو — دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

اُس صوت جاں نواز کا ثانی بنا نہیں — کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

پائی ہی بوسے دوست عنادل نے باغ میں — پروانوں پہ ہوئی ہی تجلّی چراغ میں

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی — جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح یاب نہ ہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدے میں رند — مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہ ہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا — جس شہر و دیہہ میں کہ سرائے مغاں نہ ہو

ای مرگ آکہ میری بھی رہجائے آبرو — باندھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

کیا وہ متاع جس کے نہ ہو کوئی گھات میں — ڈرتا ہوں میں جو دزد وہیں کاروان ہو

نغمہ پہ ورد ہی شورش سے افاقت معلوم — بادہ پُر زور ہی کیا نشہ کی شدت معلوم

جو کہ ہوا محو تجلّی ذات — خاکِ در اُس شخص کی اکسیر ہے

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — دینداری و پارسائی کی

آخر کار رحی پرست ہوا — شان ہو اُس کی کبریائی کی

راز پوشیدہ پوچھیے کس سے — سنے خبر ہی جو باخبر کچھ ہی

پند و حکمت

حضرت شیفتہ کے کلام میں پند و حکمت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ قدما کی روش ہی۔

تم کو نہیں جو عُجب تعجب ہی شیفتہ — ہی ی زمانا یہ سرشتِ کرام میں

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو — چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

منع کی حرص پہ انسان ہوا ہی مجبول — ناصحو! دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

یہ ہی نصیحتِ پیرانِ کار اُفتادہ — کہ بدبلا ہی جوانی ڈرو جوانی سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہی — بارگاہِ ثابت و سیّار سے

واعظ کے قول خوب ہیں رندوں کے فعل خوب — وہ اُس سے سیکھ لیجے یہ اُن کو سکھائیے

فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہی — ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو

اُردو کے ساتھ عربی جملوں کو نظم کرنے کی قدرت

حضرت شیفتہ چونکہ عربی فارسی اور ریختہ تینوں زبانوں میں قدرت سخن گوئی رکھتے تھے۔ اس لیے کلام ریختہ میں کہیں کہیں عربی جملوں کی تضمین نہایت پُرلطف واقع ہوئی ہی اس روش میں بالکل خواجہ حافظ سے مماثلت پیدا ہوگئی۔ اور بعض

غزلوں میں برسم شعرائے عرب محض قافیہ پر قناعت کی ہے۔

کیا مزا تم سے آشنائی کا	بیت	ما شربتم مدامۃ الاخلاص
شیفتہ نے ہماری داد نہ دی	"	سچ ہے القاص لا یحب القاص
کیا کچھ وہاں سے منزل مقصود پاس ہے	"	یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال
ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں؟	"	اے خردہ گیر نحن رجال و ہم رجال

حسن معانی

ضوابط نظم اور قواعد شعر سے بالاتر ایک حسن معنوی اور تاثیر مخفی ایسی ہوتی ہے جس کا لطف وجدان صحیح و ذوق سلیم ہی پا سکتا ہے۔ ایسے اشعار بھی حضرت ممدوح کے کلام میں جستہ جستہ نظر آتے ہیں۔

نے فائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا؟		اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا
اپنی محفل سے یہ آزردہ اٹھایا مجھکو		کہنا لینے کے لیے آپ مرے گھر آیا
وہ مجھسے خفا ہی تو اسے یہ بھی ہے زیبا		پر شیفتہ میں اس سے خفا ہو نہیں سکتا
ہیں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں		جفا میں نہیں دخل اسباب کا
صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو		صحرا کو جس کے جلوے نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ ہیں	اس لیے ہی کیا گیا کہ گو پُر فن بنا دیا
کہیں نہیں کچھ کہ دکھاؤں تمھیں	فرض کیا آہ میں تاثیر ہے
تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور!	اس وقت اتفاق سے ہیں وہ عتاب میں
اُس نو بہارِ حُسن کو بدنام مت کرو	تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں
دھوکا مجھی کو صرف نہیں میل یار کا	دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں
کہوں میں کیا کہ کیا دردِ نہاں ہے؟	تمھارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

پہلا مصرعہ ایک معمولی بات ہے مگر دوسرے مصرعہ نے اُس کا رتبہ بہت ہی بلند کر دیا ہے - یعنی تمھارا پوچھنا ہی دردِ نہاں کی حقیقت کا ثبوت ہے - ۱۲

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے	شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے
بھڑک گئی نسیم شبنم سے اور آتشِ گل	یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے؟
اُن کی باتیں اُس نے بھی چھپ کر سنیں	آج ناصح کو نصیحت ہو گئی -

شوخی و ظرافت

نواب صاحب کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی کا مادہ زیادہ تھا - اس سبب شاعرانہ شوخی و ظرافت ان کے کلام میں کم پائی جاتی ہے - پھر بھی جو کچھ ہے

نہایت خوب ہے۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

جلد منگواؤ شرابِ گل رنگ
شیفتہ ساقیِ گل فام آیا

پانی وضو کو لاؤ رُخِ شمع زرد ہے
مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اس شعر میں محض شاعرانہ شوخی ہی نہیں بلکہ ایک پہلو تصوف کا بھی ہے یعنی مینا سے وہ اذکار و اشغال مراد ہیں جو سالکانِ طریقت کے ذوق و شوق و وجدان کو بڑھاتے ہیں اور ان اشغال کا وقت قبل نماز صبح ہے۔

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کمی تھی حالتِ رندی میں اس کو کیا یارو؟
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ؟

رند فارغ بھی ہوئے جامِ سحرگاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ سادے بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

پیری میں سیرِ باغ کی تقریب شیفتہ
معشوق ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں

شیفتہ اک رند مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا
شان ہے اس کی کبریائی کی

جس لب کے غیر بوسے لیں اس لب سے شیفتہ	کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

اس قطعہ میں منشائے شوخی محض لفظ پرست ہے جس سے صوفیہ کی اصطلاح میں کیفیات باطنی کا ذوق و شوق مقصود ہے۔ ۱۲

محاورہ بندی

بعض شعرا کے اشعار کی بنیاد محض محاورات پر ہوتی ہے اگرچہ نواب صاحب کا شیوہ خاص معاملہ بندی ہے لیکن جہاں کہیں محاورات و امثال کو باندھا ہے اس کی بندش بے تکلف اور بامزا ہے۔

نہ دیا ہائے مجھے لذّتِ آزار نے چین	دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں	جان کو دشمن کی میں رو دیا کیا
میں کہیں توبہ میں ہوں آپے میں لیکن کیا کروں	منہ میں بھر آتا ہے پانی جام مینا دیکھ کر
ہے شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار	گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ
بلبل کو بھی نہیں ہے دماغ صدائے گل	بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل
چراغ وقف محبت نے کر دیا افسوس	کہ مجھ کو اپنے پرائے سبھی جلاتے ہیں
بوسۂ لب نہ مانگنا اے دل	منہ لگاتا ہے کون سائل کو

غیر سے کب ہوا ہے ترک کلام | باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے؟

ڈوب مرنے کی جگہ ہے غسل صحت ہجر میں | روئیے دیتا ہوں احبّا کی مبارکباد سے

کیوں کر سے مجھے خط رقم کریں گے | کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ذکرِ وصالِ غیر و شب ماہ و بادہ سے | ایسے لیے گئے۔ ہمیں طعنے دیا کیے

منہ بنائے ہوئے اُس کو سے گزر کرتا ہے | اب تو غیر بھی دل میں مرے گھر کرتا ہے

ناصح تری زباں ترے بس میں جب نہ ہو | انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے؟

دیوان فارسی ایک نظر

اس دیوان میں سات قصیدے۔ متعدد قطعے اور باقی تمام تر غزلیات ہیں۔ ان سات قصیدوں میں سے چھ قصیدے نعت سرور کائنات میں ہیں اور ایک جناب علی مرتضیٰ کی منقبت میں۔

نواب صاحب نے امرا و ملوک کی مداحی کبھی نہیں کی۔ نہ ان کی طبیعت کے مناسب تھی۔ قصیدہ کا جو انداز رائج ہو گیا ہے وہ حقیقت میں بھٹئی ہے۔ نواب صاحب جیسے دیندار۔ صوفی منش۔ کی شان سے بعید تھا کہ شاعری کے اس میدان میں طبع آزمائی کرتے۔ نہ اُن کو صلہ کی حاجت تھی نہ شاہ و

امرا کی حضور میں رسوخ کی پروا۔ سیر و سلوک باطن نے نام و نمود کی ہوس بھی مٹا دی تھی۔ لہٰذا اس صنعت پر قلم نہ اُٹھانا بالکل بجا تھا۔

قصیدہ اول

گر سر بہ آشتی و مدارا بر آورم — پرخاش از سکندر و دارا بر آورم

از قید نہ رواقِ نگاریں بر آورم — یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا بر آورم

اول بآب چشمہ کوثر وضو کنم — وانگہ نفس بنعت مزکّٰی بر آورم

قصیدہ دوم

رستم از ہجر و بمنزل گہ جاناں رفتم — جانبِ گل کدہ از دشتِ مغیلاں رفتم

نور بین شمع رہ خضر شد اندر ظلمات — گر شبِ تار بسر چشمۂ حیواں رفتم

خود ندانی اثر فیض مزار شاہ ست — کہ بہم پائی دل ناصیہ سایاں رفتم

آں بدریائے رسالت گہر یکدانہ — کہ ز فیضش نہ بدریوزۂ عماں رفتم

مطلع قصیدہ سوم

کارے بحسبِ خواہشِ دل در جہاں مخواہ — تغییر رسم کہنۂ ہفت آسماں مخواہ

مطلع قصیدۂ چہارم

اے در حسد بہ بزمِ تو از ساغر آفتاب — با آنکہ اشرف ست ز مہر اختر آفتاب

مطلع قصیدۂ پنجم

زیں بعد با دو در غمِ دل ناگریستن — گشت آشنائے نرگس شہلا گریستن

مطلع قصیدۂ ششم

نسیم صبح آمد سوے من از ساحتِ گلشن — پر از ریحان و گل جیب۔ آستیں از لالہ و سوسن

مطلع قصیدۂ ہفتم

دوشش کاں رشکِ ماہِ کنعانی — ہم چو خور کرد پر تو افشانی

بحر جود و کرم علی کہ کفش — در فشاند چو ابر نیسانی

غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں سلاست، روانی۔
سنجیدگی۔ بندش کی چستی مشق و مہارت کا نتیجہ اور شیرینی و لطافت خداداد ہے
معنوی نزاکت اور اسلوب بیان کی تازگی آپ کی فکر سلیم کا خاصہ ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ میں زبان فارسی کی کساد بازاری ہوگئی۔ ورنہ حسرتی
کے دیوان کی قدر و شہرت اساتذہ ماضی کے دواوین سے غالباً کم نہ ہوتی۔
بعض غزلوں کے مقطعے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نواب صاحب کو نظیری
کی روش بہت پسند تھی چنانچہ کہتے ہیں ؎

جز حسرتی بپایۂ او کس نمی رسد ۔۔۔ در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

نظیری متاخرین میں غزل کا استاد مانا گیا ہے اور اُس کا کلام معنوی نزاکتوں
کے لیے مسلم ہے۔

مولانا حالی مرحوم فرماتے تھے کہ اواخر عمر میں نواب صاحب کو فکر سخن کا
اتفاق ہوتا تو خواجہ حافظ کی روش پر کہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ آخری کلام
دیوان میں داخل نہیں ہوا۔

زیادہ حصہ نواب صاحب کے کلام کا صوفیانہ خیالات سے پُر ہے اور یہی آپ کا مشرب
خاص تھا۔ عاشقانہ اشعار جو غزل کی اصل و بنیاد ہیں ان میں بھی تصوف کا پہلو اکثر

اکثر نمایاں ہی بعض اشعار حکمت و موعظت یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ البتہ شوخی و ظرافت کا مضمون شاذ ہی۔

بعض غزلوں میں ایک دو شعر صوفیانہ و عاشقانہ مذاق کے ایسے بھی ملتے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے دل پر وجد کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہی شاعری کا اعجاز ہی۔ مندرجہ ذیل اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حسرتی اپنے جذبات اور خیالات کو نظم فارسی میں ظاہر کرنے پر اسی طرح قادر تھے جس طرح ریختہ میں فرماتے ہیں :—

اے فیضِ تو بکشودہ زباں ما بہ بیاں ہا	[illegible]	حمدِ تو فرو بستہ۔ بیاں ہا بزباں ہا
در پردہ چو بودی ہمہ در کتمِ عدم بود	=	اشباح منور شدہ از لمعۂ جاں ہا (اجسام ۱۲)
در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی	[illegible]	آنجا کہ خندہ آید بر پادشہ گدا را
بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشان ست	[illegible]	کسے نداد تسلی۔ دل زلیخا را
مرید پیرِ مغاں شو۔ کہ از اطاعتِ او	[illegible]	گزیر نیست۔ جوانانِ بادہ پیما را
دمی سوختہ این سخنِ نغز بمن گفت	=	کز آتشِ دل خشک کنی دامنِ تر را
خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پسِ خشم و عتاب	[illegible]	لذتِ دیگر دہد زخمِ نمک سود را

خلوت خوش است ساقی و مطرب بزم را	تصوف۔	از گل پیالہ خواہ و ز بلبل ترانہ را
آں پس سادہ رخاں را تکلف آئین است	عاشقانہ	گریز نیست زآرایش لباس مرا
بہ آبروئے محبت نگر کہ بنشاند	=	فراز مسند دیبا بایں پلاس مرا
امشب کہ تکلفے نہ کردم	=	مہ ہست چراغ محفل ما
از رفتن ہر دوست شد آخر	=	کاشانۂ غیر منزل ما

ہر کس کہ قتیل غمزہ اش شد
اے حسرتی! اوست قاتل ما

یہاں رشک و رقابت کا مضمون نہایت عمدہ الفاظ میں ادا ہوا ہے دوسرے معنے مذاق صوفیہ میں یہ ہو سکتے ہیں کہ "مقتول غمزۂ دوست ہی میرا قاتل ہو سکتا ہے۔ یعنی اہل فنا ہی مرتبہ اہل فنا میں پہنچا سکتے ہیں۔

"اقتلونی اقتلونی یا ثقاة
ان فی قتلی حیاة فی حیاة"

ما حسرتی! ز شیوۂ غالب گرفته ایم	تعلّی	آمیختن بباده صافی۔ گلاب را
دہ کہ ز ما روا نشد کار کسے بزندگی	عاشقانہ	کاش برند بعد مرگ۔ بہرہ ز سنگ و خشت ما
چشم از ہزار ناز تو پوشد کسے چرا	عاشقانہ	دل را بیک کرشمہ فروشد کسے چرا

زحم ست بر کسے کہ دراں کوے می رود		تجنیس
در دست نامۂ من و برلب سلامِ ما		

ملک پیکارِ دشمن را بسویش التجا آرد	صنعت تجنیس	اگر بہند جراحت ہائے مژگانِ درازش را
ای بیخبر چہ فائدہ؟ از استراق سمع	تجنیس	بے حرف و صوت نیز بیاید خبر مرا
رازِ نہفتہ گفتم اگر ساقیا! مرنج	=	می گفتمت کہ بادہ مدہ این قدر مرا
ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب	تجنیس	بہارِ قدرتِ صانع چو دیدن است محسپ
دور نبود اگر آں مرد سبکتاز رسد	تجنیس	کہ سر آمد رہ و پہنداشت کہ آغاز رہ است
آنچہ خواہند و بیابند۔ نخواہند آنرا	=	این سخن شمۂ از ہمّتِ درویشان است
پوشیدہ خوردم بادہ و آہمہ کنم وجد	=	در اہلِ خرابات رہ و رسمِ ریا نیست
گر بامِ بلنداست۔ کمندِ دگر آور	تجنیس	واماندگی از سعی روا نیست روا نیست
در چارۂ او کوش کہ دیوانہ است امروز	تجنیس	از نکہتِ گل بوے ترا باز ندانست

یہ مضمون نہایت لطیف و تازہ ہے کہ عاشق دیوانہ بوے گل و بوئے یار میں تمیز نہیں کرتا۔

	=	
از بیمِ تو شب حسرتی زار ہمی کرد	تجنیس	زین گونہ صدا ہا۔ کہ کس آواز ندانست
چشمم وصل ست کہ می میرم و نتوانم مرد	=	پاس از ست کہ می سوزم و نتوانم سوخت

ذوقِ این زمزمہ از خویش بُردم آورد ———— می سزاید کہ دل دادہ و دلدار یکی است

اضطرابِ دگر افزود دلِ شیدا را = التفاتِ تو کہ ما تا بمدارا ہست

یعنی اہلِ عشق و محبت حصولِ مراد و مقصد سے نہایت خائف رہتے ہیں اور اسکو وادیِ عشق کے عقبات سے سمجھتے ہیں۔

مشاطہ را بگو کہ بہ بزمِ ہوس رود ———— در چشمِ عشق زلفِ تو بے شانہ خوشتر است

یعنی ناظرینِ مناظرِ حسن و قدرت عاشقِ زار اور مصنوعی خوبیوں کے دلدادہ ہوس کار ہیں۔

کُشت او مرا و ہیچ نشنیدی چگونہ کُشت؟		زاں پیشتر کہ تیغ کشد خوں بہا گرفت
نگاہِ کافرش غارتگرِ افتاد	=	مسلمانانِ غمِ ایماں ضرور است
کارِ ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد		مرغِ بسمل شدہ را ہم سرِ پروازے ہست
دمِ جاں پرورِ او ہر چہ کہ دارد دانم	=	از ادب گرچہ نگوییم کہ اعجازے ہست
دُردی کشاں چو سوئے خرابات رو کنند	=	اوّل بآبِ چشمۂ حیواں - وضو کنند
صد پردہ - بروئے دوست بستند	=	زاں جملہ - یکے - جمال باشد
جز من بہ مانِ قتل - بقاتل دعا کہ کرد؟	=	گو مزد سہل بود - ولیکن ادا کہ کرد؟
پہلوئے غیر بہ بزمش نگرم جائے کہ نیست		چشمِ آنم کہ نگاہِ غلط انداز کند

فریاد ز تقوے که بنیروش نتواں رفت	عاشقانه	آه! از روشِ او که سرِ بام ندارد
فتنه را از قدِ رعنائے تو امداد رسد	=	چرخ را از نگهتِ نسخهٔ بیداد رسد
طبعِ چالاکِ ترا مے بسرِ خشم آورد	=	آه! زاں لحظه که آتش بکفِ باد رسد

گر بمستی آں بہاراں - جلوه گل یاد آورد

داغِ مے گل گردد و - بلبل بفریاد آورد

خدایا! حشر برپا کن - بهنگامے که عاشق را

بدل حسرت - بگردن دشنه - برلب آفریں باشد

قطعه

حسرتی! ایں تازه گل باشد نثارِ دوستی

بو که ما را از نسیم کوئے خود یاد آورد

غالب آں رنگیں نوا بلبل که ذوقِ نغمه اش

عندلیبانِ گلستاں را - بفریاد آورد

میفروشد رائگاں در کوچهٔ پیرِ مغاں

هر متاعے را که دل از کوئے زہاد آورد

روزِ وصال ناز بمعشوقہ می کنم آرے چنیں کند کہ بدولت گدا رسد

یہاں منتہائے عشق سے جز دمی ہے کہ حبیب عاشق درجۂ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

جز حسرتی بپایۂ او بیش نمی رسد		در چیرتم کہ کار نظیری کجا رسد ؟
بیا و طاعتِ مقبول را ابجما بر		خلل بکار دعاہائے مستجاب انداز
گرت ہواست کہ چوں حسرتی نوا سنجی		بزیرِ شاخ گلے۔ در قدح شراب انداز
چو یادِ دوست کنی۔ غیر را فراموش کن		چو نامِ عشق بری از سرِ شاں برخیز
براں سرم کہ زہر نیک و بد کنارہ کنم		خورم شراب و رخِ نیکواں نظارہ کنم
بُت ہوائے مراشیخ صومعہ بشکست		بیا کہ خدمت رندِ شراب خوارہ کنم

رند۔ اصطلاح صوفیہ میں اربابِ فقر و فنا کو کہتے ہیں۔

شوقِ صد منصور را در جلوہ گاہ یار بُرد	[illegible]	ما ہماں رندیم قالِ سبحۂ صد دانہ ایم
حسرتی اعشقِ مجازی را حقیقی کردہ ایم	〃	یا ہوا نا آشنائیم از ہوس بیگانہ ایم
بازم از رشک میاز ار کہ در محفلِ تو	〃	خویش را دوش بصد حیلہ و فن آوردم
مر الجنشید و گناہے جز بدی نیکی ندید از من	[illegible]	نمیدانم۔ کدامیں جرم۔ ایزد برگزید از من
از ہوش من رود بستانی کہ فی المثل	[illegible]	یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا بر آمدہ

مصرع اول		مصرع دوم
از مُردنِ خود نیست غم - امّا غم اینست	تصرف	گویند که معشوقِ تو اعجاز ندانست
اگرچه حسّانی! از اہلِ زہد و پرہیزم	=	ولے ز شاہد و مے نیز احترازم نیست
از پئے صیدِ تو - صد دام بہر جائے ہست	[illegible]	جرمِ من چیست؟ مرا نیز تمنائے ہست
سحری بود طلب وعدہ واثق فرمود	=	می شناسد که کرا حدِ تقاضائے ہست
جائے من تنگ - بہر جائے ز رسوائی من	[illegible]	جز خرابات که آنجا ہمه را جائے ہست مجلس ارباب فقر سے مراد ہے

قطعه

مصرع اول		مصرع دوم
ضیمے - صبح برآمد بتفرّج ز گنشت	[illegible]	لبِ سرِ وقت من افتاد گذارے سرِ کشت
گفتمش کیستی؟ اینجا بچه کار آمدہ		اے رخ و طرۂ تو سنبل و ریحان بہشت
گفت - دارم سخنی چند بپرسش درخور		خوب و رد ہرچه آمدہ کمتر از زشت؟
گفتم - این سرِّ ملوک است - بدینہا مگذار		گفت سنجیده شمردی سخن اے نیک سرشت
گفت - رمزے است خرد سوز که دارد پنہاں		التہابِ شرر او جگرِ خستہ برشت
بر سرِ موئے ضعیف اینہمه بار از چه فتاد؟		گفتمش زانکه دلِ خود محبت بسرشت
گفت من ہم سخنِ نادرہ گفتن خواہم		گرچه طبع تو بگیتی سخنِ نغز نہشت
لطفِ او مومن و کافر نگذارد محروم		پرتو رو به حرم - نگہت گیسو به کنشت

دوش این طرفه غزل خاطر من انشا کرد
حسرتی - خامه و نامه طلبید و بنوشت

مقابلہ و موازنہ کلام حسرتی - با کلام شعرائے دیگر

حسرتی

روی تو بسکه بود پیش نظر هر ساعت	می توان دید مثال تو در آئینهٔ ما
از پی جلوهٔ شوخی که پری عاجز اوست	شوق شوخی پری داشته در سینهٔ ما
داغ صهبا کربا - رونق پشمینهٔ ما	می در آدینه به از طاعت آدینهٔ ما
ورنه هم دل اصحاب صفا - جا داریم	وای آنکس که بود در دل او کینهٔ ما
کار ساقی و مغنی همه می کرد - حبیب	حسرتی بود چه خوش صحبت دوشینهٔ ما

غالب

محو کن نقش دوئی از ورق سینهٔ ما	اثر آه ست الف صیقل آئینهٔ ما
وقت تاراج غم تست - چه پیدا چه نهان	همچو رنگ از رخ ما رفت - دل از سینهٔ ما
عرصه بر الفت اعدا چه تنگ آمده است	خوش فرو رفته بطبع تو خوشا کینهٔ ما
غالب امشب همه از دیده چکیدن دارد	خون دل بود مگر - بادهٔ دوشینهٔ ما

نظیری

آنکہ بر مارقمِ کیں زدہ از کینۂ ما	نقش آئینۂ خود دید در آئینۂ ما
عیدِ نوروز بود مکتبِ ما را ہر روز	بہجت گزرو سینہ و آدینۂ ما
زاں زرا ہے کہ بدنبالۂ چشمت ز سپید	خوں فرو میچکد از خرقۂ پشمینۂ ما
طرفہ شورِ سحر از سینۂ نظیری برخاست	ساخت کارِ ہمہ را گریۂ دوشینۂ ما

حسرتی

امشب کم از قیامت ہنگامہ ندیدم	فردا اگر نبینم - دیدارِ آشنا را
در دہر جز خرابات جاے دگر نیابی	آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را
بے مستیِ شبانہ لطفِ صبوح نبود	پیرِ مغاں سحرگہ این نکتہ گفت ما را

نظیری

در پردہ رہ نداوند وقتِ سخن صبا را	من نیک مے شناسم پیغامِ آشنا را
با فقر و ننگ ہستی شو مستِ عُجب و مستی	در کشورِ غیوراں - نخوت کُشد گدا را

حسرتی

بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشاں است	کسے نداد تسلّی - دلِ زلیخا را
مرید پیرِ مغاں شو - کہ از اطاعتِ او	گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را

عجب نہ نرگسِ مخمور اوست خود داری — حجاب و شرم کجا مستِ بے محابا را
ہزار شکوۂ تلخ مرا فرو بُردی — بجانِ من نہ کہ آموختی مدارا را

نظیری

دراں نظارہ کہ بہ تیغ و کفت شعور نبود — ز رشک سوختہ بود آگہی زلیخا را
گر از ورع بگدا - زاہداں قدح ندہند — چہ مانع است حریفانِ بادہ پیما را
گذشت شوق ز اندازہ - گوشۂ نظری — کہ نے خموش کند مستِ بے محابا را
نوازش عرضِ کرم می کند محبت نیست — تواں شناختن از دوستی مدارا را

حسرتی

اگر زاں طرۂ مشکیں صبا بو آورد ما را — بہ رم صد خرمنِ گل نذر سرہند و بخارا را
فلاطون فطنتاں از رازِ گیتی بیخبر رفتند — حکیمِ معنوی باید کہ بکشادِ ایں معمّا را

حافظ شیرازیؒ

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را — بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

حسرتی

اُفتاد رشحہ از لبِ ساقی بجامِ ما — مستی نمی رسد بخمارِ دوامِ ما

ساقی بیادہ - جادۂ بار افشاں دہد		مطرب بنغمہ باز نماید مقامِ ما
نے دام خویش - نہ دانہ خویش - آماز اتفاق		ہر بار شاہبازے در افتد بدامِ ما

نظیری

مستی ربودہ از کفِ ہستی زمامِ ما		مطرب نمی دہد خبرے از مقامِ ما
خرمن بباد رفت درین دشتِ پُر فریب		مرغے نشود گوشہ بالے بدامِ ما

حافظ شیرازی رح

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم		ای بیخبر ز لذّتِ شربِ مدامِ ما

حسرتی

جاں بتن میدمد ترانۂ ما		غم ز دل می برد فسانۂ ما
دیگرم نیست داوری با چرخ		گر ترا آورد بخانۂ ما
حرفِ شیریں شود فراموشش	[illegible]	خسروار بشنود فسانۂ ما
کبکِ کہسار و بلبلِ گلزار		گوش دارند بر ترانۂ ما
دیں فروشانِ خانہ بردوشیم		دلق و دستارِ ماست خانۂ ما

حسرتی

کام دربخشش آمدہ از عشق مجوے		عیش مخصوص بکفرست ز ایماں مطلب

نظیری

فرض و سنت بتماشاے تو از یادم رفت — پردہ بردار و فگن ازمن ایمان مطلب

حسرانی

ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب — بہارِ قدرتِ صانع چو دیدنست مخسپ
دمِ صلوٰۃ و صبوحیست حسرانی برخیز — بہ نعمتِ دو جہاں گر رسیدنست مخسپ

غالب

نشانِ زندگیِ دل دویدنست بایست — جلاے آئینۂ چشم۔ دیدنست مخسپ
بذکرِ مرگ شبی۔ زندہ داشتن ذوقیست — گرت فسانۂ غالب شنیدنست مخسپ

غزل

ہمانکہ منعِ من از بادہ مے نمود مدام — نشستہ میکدہ دیدم کہ غافل افتادہ است
دلت بحسنِ بتاں از چہ مائل افتادہ است — بغیرِ ہستیِ حق۔ ہر چہ باطل افتادہ است
بشب چو مہر بیاید۔ سحر چو بادرود — فغاں کہ مہر مرا۔ برق حاصل افتادہ است
ہر آنکہ یافت ز اہلِ صفا نظر داند — کہ انکشافِ حقیقت۔ چہ مشکل افتادہ است
دعا بکعبہ پذیرند۔ لیک حیرانم — امیدوار ز میخانہ۔ سائل افتادہ است

خرد زمانہ بنرخِ کمالِ نقصانش
کہ حسرانی بفنِ خویش کامل افتادہ است

نظیری

شکستہ بر ورقِ جبہہ تو خامہ حکیم		کہ ابروانِ ترا عقدہ مشکل افتادہ است
یکے بگو بہ غریبانِ شہر سیری کن		ببین کہ نقشِ امل ہا چہ باطل افتادہ است
گدائے پیرِ مغاں شو کہ پادشاہ و فقیر		بر آستانہ میخانہ سائل افتادہ است

غالب

زمین گسستی و پیوند مشکل افتادہ است		مرا بگیر بجوئے کہ در دل افتادہ است

حسرتی

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن		درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن
تو و رقص و می پرستی من و وجد و جوشِ مستی		تو و نغمہ ہائے دلکش من و نالہ ساز کردن
سرِ من فدائے نازت زِ عدو دگر چہ خواہی		تو و عشوہ ساز کردن من و دل نیاز کردن
دلِ زاہداں بجاں بنہفتہ حسرتی خورد		تو اگر ہمی توانی زِ رسمے احتراز کردن
چہ خوش است اند و ہر دل سخن حرف باز کردن	جامی:	سخنِ گذشتہ گفتن گلہ را فراز کردن
تو اگر بجور سوزی زِ جفا کشاں نیاید		بجز از دعائے جانت زِ سر نیاز کردن
بچناں گرفتہ جا ہمہ با جان شیریں		کہ تواں ترا و جاں را زِ ہم امتیاز کردن
زِ نگارِ سے ندارم سر و برگ سجدہ ہست		دل و خاطرِ پریشاں نتواں نماز کردن

تو بخویشتن چه کردی که بما کنی نظیری	بجزا که واجب آمد ز تو احتراز کردن

غالب

چه غم ار به بدگرفتی ز من احتراز کردن	نتوان گرفت از من بگزشته ناز کردن
تو و در کنار شوقم گره از جبین کشودن	من و سیرِ نج دو عالم در دل فراز کردن
بفشار رشکِ مستت بچپان گداخت گلشن	که میانه گل و مل رسد امتیاز کردن
هله تازه گشته غالب روشِ نظیری از تو	سزد اینچنین غزل را بسفینه ساز کردن

حسرتی

تا کجا بر طمعِ وصل شکر خند کنی	عشق آمیختهٔ ز هر هوس چند کنی
بنده را نیست بمیلانِ طبیعت کاری	کارها بر نمطِ امر خداوند کنی
ای محبت ز تو خوش بو العجبی ها آمد	طفل را فتنهٔ پیرانِ خردمند کنی
سعی در کار نما و به جهان کار مدار	دو جهان از تو اگر کار بر آن بند کنی

نظیری

بهتر از صحبتِ ارباب خرد بگزینی	ترکِ هم بزمیِ پرشور و سرِ چند کنی
خجل از کردهٔ خود تا نشوی می باید	حلم را ابر غضب و خشم خداوند کنی
طبع نادانِ سبکسار نگیرے هرگز	وزنِ خود راست بمیزانِ خردمند کنی

ہم نے سطور بالا میں غالب، نظیری اور حافظ شیرازی کی چند ہم طرح غزلوں کو حسرتی کے کلام کے مقابلہ میں صرف اس خیال سے پیش کیا ہی کہ نکتہ رس طبائع مختلف شعرا کی جولانیٔ طبع کو ایک ہی زمین میں دیکھکر لطف حاصل کریں اور ارباب ذوقِ سلیم موازنہ کریں کہ سب سے پچھلا سخنور جو میدان سخن میں آیا ہے اُس نے اپنے متقدمین کی روش کو کس درجہ ترقی دی ہی اور باوجود ہندوستانی نژاد ہونے کے فارسی زبان پر اُس کو کس قدر قدرت حاصل ہی۔ فقط

تمام شد

صحت نامہ متعلق حالات حضرت شفیقہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۲۹	ثمر	ثمر	۱۹	۵	میسائید	میسائیدند
۱۰	۱۳	ببا بند	بیا بند	″	۶	رسیدند	رسیدن
″	۱۴	بما یند	نمایند	۲۰	۹	بادا	باده
″	۱۵	ہاخوانند	دعاخوانند	″	۱۵	حدیث پرشور	حدیث پرشوررا
۱۶	۱۴	بگزد	بگذرد	۲۱	۷	درا	دراں
″	۱۵	ترشیده	ترسیده	۲۲	۶	گرندی	گزندے
۱۷	۵	ود	دو	۲۴	۱۱	مسحد	مسجد
″	۶	اشرب	اشرف	۲۵	۱۲	امرش	امرزش
″	۹	وشازده	وشانزده	۳۰	۱۲	تاریخ دہی	تاریخ
۱۸	۱	خواند	خوانند	″	۱۳	مفتی صاحب	نیر مرحوم
″	۲	چو	چوں	۳۱	۹	گلشن بخار میں آپ کا ذکر	گلشن بخار میں مفتی صاحب کا ذکر
″	۱۲	کم	گم	۳۲	۱۶	ازبان	اززبان
۱۹	۳	آوازگیست	آواز گیستا	۴۱	۴	آفرہوں	آفرینیوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۵	۷	پاسے اعتبار	پایۂ اعتبار	۷۲	۷	دیوان فارسی	دیوان فارسی
۴۷	۱۹	طران	طراز	۷۴	۱	تغیر	تغییر
۴۸	۱۳	سرشرو	سرخرو	۷۷	۲	آین	آیین
۵۷	۵	نظرر	نظر	۷۸	۹	اہمہ	آہستہ
۶۱	۴	جاہ جلال	جاہ و جلال	۸۲	۶	ضیمے	ضمنے
۶۵	۸	جسم	جسم و	۸۸	۴	شکل	مشکل
۶۶	۲	ہرلط	برابط				

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

خواہاں ہوں بوئے باغِ تنزہ شمیم کا
یارب ادھر بھی بھیج دے جھونکا نسیم کا

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

بیرنگ جلوہ بارقۂ ہوش سوز ہے
کیا امتیاز رنگ سے کیجے شمیم کا

تیری نسیمِ لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خلل آگیں حکیم کا

دقّت سے پہلے عجز سلامت کی راہ ہے
کیسا سپاس دار ہوں عقلِ سلیم کا

میری فنا ہے مشغلۂ محفلِ بقا
پروانہ ہوں میں پہ تو شمعِ قدیم کا

گر تیرے شوق میں ہیں یہی بیقراریاں
لے لوں گا بوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا

طاعت اگر نہیں تو نہ ہو یاس کس لیے
وابستہ سبب ہے کرم کب کریم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوّارہ جناں ہو زبانہ جحیم کا

اے شیفتہ عذابِ جہنم سے کیا مجھے
میں امتی ہوں نار و جناں کی قسیم کا

یہ فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا
آخر غلام ہوں میں تمہارا قدیم کا

پیمان ترکِ جاہ لیا پیرِ دیر نے
پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا

کیا ڈھونڈھتی ہی قوم کہ آنکھوں میں قوم کی
خلدِ بریں ہے طبقۂ اسفل جحیم کا

اس شوخ کج ادا سے نہ آئی موافقت
کیونکر گلہ نہو مجھے طبعِ سلیم کا

شکوے یہ اب جو ہوتے ہیں باہم نے نہیں
انداز ہم میں اُن میں یہی ہی قدیم کا

اُس وقت ہم گنے گئے احباب خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عمیم کا

بدمستیاں کبھی کبھی مستوری و عفاف
دستور ہے طبیعتِ نامستقیم کا

اُس رشکِ گل کی بسترِ گل سے ہی احتراز
ممنون ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا

اے جانِ بیقرار ذرا صبر چاہیے
بیشک ادھر بھی آئے گا جھونکا نسیم کا

جسکی سرشت صاف نہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیو رجیم کا

اب جستجو ہی اُن کو ہماری تو کیا حصول
باقی نہیں اثر بھی عظامِ رمیم کا

عاشق بھی ہم ہوئے تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا

ہم نے کئے قواعدِ وحشت جو منضبط
اہلِ جنوں میں ہمکو لقب ہی حکیم کا

ہی کارنامہ جب سے بیاض اپنی شیفتہ
تقویم سال رفتہ ہے دیوان کلیم کا

جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا
کچھ اور رنگ ڈھنگ ہوا کائنات کا

شیشہ اُتار شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا

لڑتے ہو جب رقیب سے کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق یہاں نہیں کوئی اس التفات کا

گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر مرتے دم
پانی ہو خشک چشمہ آب حیات کا

یہاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالم شہود ہے آئینہ ذات کا

کہتے ہیں جان جانتے ہیں بے وفا مجھے
کیا اعتبار ہے اُنہیں دشمن کی بات کا

واعظ جنوں زدوں سے نہیں باز پُرس حشر
بس آپ فکر کیجئے اپنی نجات کا

جوش سرشک خوں کے سبب سے دم رقم
نامہ نہیں رہا یہ ورق ہے برات کا

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہے اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

عیسے کے آگے شیفتہ کیا چل سکے یہاں
احسان ایک عمر ہے ایک رات کا

کیا فائدہ نصیحت ناسودمند کا
کیا خوب پند گو بھی ہے محتاج پند کا

جب میں نہیں پسند تو پھر اور آ چکی
عاشق ہوں اُسکی خاطر مشکل پسند کا

اے بادِ صبح تا بہ کجا اہتزازِ گل
گوشہ الٹ دے یار کے منہ سے پرند کا

اُس ماہ وش کو غیرتِ رو سے کام کیا
ہی فیض اپنے اخترِ بختِ نژند کا

اُس کوچہ میں ہی عزت خسرو گدا سے کم
کیوں ناز مستمند سہی ارجمند کا

نالہ تو نارسا نہیں کیونکر گلہ کروں
میں شکوہ سنج ہوں تیرے کاخ بلند کا

دیوان کو ہمارے بتوں کی نگاہ میں
اے **شیفتہ** وہ رتبہ ہی جو بید و زند کا

۵

کچھ انتظار مجھکو نہ مے کا نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا

لگتے نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژہ نیم باز کا

دشمن پئے صبوح جگاتے ہیں یار کو
یہ وقت ہی نسیم سحر اہتزاز کا

ایمن ہیں اہلِ جذبہ کہ رہبر ہی اُنکے ساتھ
سالک کو ہی خیال نشیب و فراز کا

پھنسنے کے بعد بھی ہے وہی شگفتگی
کیا خوب جال ہے نگہ جاں نواز کا

تقوی مرا شعار ہی عصمت سرشت دوست
پھر مجھسے کونسا ہی سبب احتراز کا

بارے عجیب بات تو پھیلی جہان میں
پایا کسی نے گو ثمر افشائے راز کا

ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہو امتیاز کا

پیرِ مغاں نے رات کو وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان بھی حسن مجاز کا

دیتا ہے داغِ رشک پرندِ سپہر کو — جلوہ تمہاری معجزِ گوہر طراز کا

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زر دہی — مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں — طولِ امل جواب ہی زلفِ دراز کا

جورِ اجل کو شوخیِ بیجا کہا کیا
تھا محو شیفتہ جو کسی مستِ ناز کا

۶

نہ اس زمانہ میں چرچا ہی دانش و دیں کا — نہ شوق شعرِ تر و بذلہ ہائے رنگیں کا

شمیمِ زلف ہی ہی توحشتِ دل سے — کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا

بنات نعش نے کس واسطے اٹھا رکھیں — نہیں ستارہ گھر خاندان پرویں کا

ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو سمجھے تھے — کہ مشتری نہیں اس گوہرِ نو آئیں کا

نما نما ہی نہایت خلافِ شیوۂ عشق — غلط ہی شوق ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا

وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے — نہ رنگ بھی متغیر ہوا اہلِ تمکیں کا

ہزار مرتبہ فرہاد جان شیریں دے — وہی ہی حق نمکِ عشوہ ہائے شیریں کا

عجیب حال ہیں ہم شیفتہ معاف کرو
جو کچھ قصور بھی ہو اس غلامِ دیریں کا

۷

ہائے اس برقِ جہاں سوز پہ آنا دل کا — سمجھے جو گرمیِ ہنگامہ جلانا دل کا

ہی تیرا سلسلۂ زلف بھی کتنا دلبند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سُنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

ہمسے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہی عمر
کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

عاقبت چاہِ ذقن میں خبر اُس کی پائی
مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا

کس طرح درد محبت میں جتاؤں اُس کو
بھید لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں دانا دل کا

ہم یہ سمجھے تھے کہ آرام سے تم رکھوگے
لا ہئے تمکو ہی منظور ستانا دل کا

ہم بھی کیا سادہ ہیں کیا کیا ہیں توقع اُس سے
آجتک جس نے ذرا حال نجانا دل کا

جلوہ گاہ غم وشادی دل وشادی کمیاب
کیوں نہو شکوہ سرا ایک زمانا دل کا

شکل مانند پری اور یہ افسوں وفا
آدمی کا نہیں مقدور بچانا دل کا

شیفتہ ضبط کرو ایسی ہی کیا بیتابی
جو کوئی ہو تمہیں احوال سُنانا دل کا

۸

ہم پر ہے التفات ہمارے حبیب کا
گیرا اگر نہیں ہی قفس عندلیب کا

اب وہ ہی جلوہ ریز لباسِ پاس ہیں
جو عہد کہ نہ کی ہیں گلہ تھا ادیب کا

اچھا جو اس کو سونگھے تو آجائے اُسکو غش
اچھا اثر ہے زلف معنبر کی طیب کا

تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا چلے
کوچہ سے تیرے پاؤں نہ اُٹھے غریب کا

مصروف ہی بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طبیب کا

تسلیم سے وفاق رضا سے ہی اتفاق
سینے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے نصیب کا

ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں کیا کریں
اس بزم میں ہی دخل سراسر رقیب کا

ہو جائے کاسہ لیس شگفانِ میکدہ
جسکو کہ اشتیاق ہی حالِ عجیب کا

سنتے ہی نام دشمنِ صد سالہ ہو گیا
پوچھا جو مجھ سے نام کسی نے حبیب کا

اس شاخ گل نے لی ہی جو بلبل تو شیفتہ
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

۹

لکھو ہوں میں جو اس ستمگر کا
ہے گلہ اپنے حالِ ابتر کا

حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
رگِ بسمل ہے تارِ مسطر کا

آنکھ پھرنے سے تیرے مجھکو ہوا
گردشِ دہر دورِ ساغر کا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب
کام یہاں کیا ہے دامنِ تر کا

شوق کو آج بیقراری ہے
اور وعدہ ہے روزِ محشر کا

نقشِ تسخیر غیر کو اس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اسی ستمگر کا

اس نے عاشق لکھا عدو کو لقب
ہائے لکھا مرے مقدر کا

آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہی خیال کس گھر کا

١٠

سب حوصلہ جو صرف ہوا جورِ یار کا
مجھ پر گلہ رہا ستمِ روزگار کا

بھٹا کیا ہجوم بہر زیارت ہزار کا
گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پہ اے یارِ دلشکن
کچھ بھی خیال ہی دلِ امیدوار کا

کھلنے لگے ہیں از سرِ نو غنچہائے زخم
یہ فیض ہے صبا کی دمِ مشکبار کا

گر چاہتے ہو جامہ نہو چاک ناصحو
منگوا دو پیرہن مجھے اُس گلعذار کا

ہر کوچہ میں کھلی ہی جو دکانِ مے فروش
کیا فصل ہی شراب کی موسم بہار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے تھم گئے
اب کیا کروں علاج دلِ بیقرار کا

آزاد ہی عذابِ دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیرِ سلسلۂ تابدار کا

١١

اُس بزم میں ہر چیز سے کمتر نظر آیا
وہ حسن کہ خورشید کے جھمکے سے بڑا آ

بے فائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا
اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آ

کچھ وہ نہیں اُن سے کہ نیرنج بتا دیں
کیا فائدہ گر آنکھ سے لختِ جگر آ

گو کچھ نہ کہا پر ہوئے دل میں متاثر		شکوہ جو زباں پر مری آشفتہ تر آیا
بے طاقتیٔ شوق سے میں اٹھ ہی چکا تھا		ناگاہ وہ بیتاب مری قبر پر آیا
بے قدر ہے مفلس شجرِ خشک کی مانند	✓	یہاں درہم و دینار میں برگ و ثمر آیا
حالِ دلِ صد چاک پہ کٹتا ہے کلیجا		ہر پارہ اک الماس کا ٹکڑا نظر آیا
دیکھے کہ جدائی میں ہے کیا حال وہ بدظن		اس واسطے شب گھر میں مرے بے خبر آیا
کیا دیر ہے ای ساقیٔ گلفام سحر ہے		کیا عذر ہے ای زاہدِ خشک ابر تر آیا
روداد میں ہیں شیفتہ کے مختلف اقوال		پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

جب رقیبوں کا ستم یاد آیا	۱۲	کچھ تمہارا بھی کرم یاد آیا
کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی		غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا
نہ لکھا خط کہ خطِ پیشانی		مجھکو ہنگامِ رقم یاد آیا
شعلۂ زخم سے ای صید فگن		داغ آہوئے حرم یاد آیا
ٹھہرے کیا دل کہ تری شوخی سے		اضطرابِ پیہم یاد آیا
خوبیٔ بخت کہ پیمانِ عدو		اس کو ہنگامِ قسم یاد آیا
کھل گئی غیر سے الفت اسکی		جامِ مے سے مجھے جم یاد آیا
وہ مرا دل ہے کہ خود بینوں کو		دیکھ کر آئنہ کم یاد آیا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

ایسے مغرور ہوئے شیفتہ کیوں
کہیں اس شوخ کا رم یاد آیا

۱۳

قبر پر وہ بت گلفام آیا
بارے مرنا تو مرے کام آیا

دو قدم یہاں وہ کوچہ سے مگر
تا در صبح گیا شام آیا

رہ گئے پڑھ کے گیا بیچ کے وہ
گو نہ بر آئے تو آرام آیا

پھر یاد آتے ہیں کام کہ اب
دل میں شوق بت خود کام آیا

شمع کی طرح اٹھے ہم بھی جب
دشمن تیرہ سر انجام آیا

جب مری آہ فلک پر پہنچی
تب وہ مغرور سر بام آیا

جلد منگواؤ شراب گلرنگ
شیفتہ ساقی گلفام آیا

۱۴

اس سے ہم شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا
کیا کروں ہنگام سخن دل میں جو زباں پہ آیا

پیش سے اٹھ کے بھی دھیان مکرر آیا
وہ تو آتے نہیں پر آپ ہیں کیونکر آیا

وعدہ کس شخص کا اور وہ بھی نہایت کچا
ہم بھی کیا خوب ہیں کیونکر ہمیں باور آیا

مجھ سے وہ شوخ کو اس شان سے آئے گویا
جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا

جذبۂ شوق کی تاثیر اسے کہتے ہیں
سن کے قاصد کی خبر آپ ہی در پر آیا

خاک ہونے کا مرے ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اس بزم سے کچھ غیر مکدر آیا

اُٹھ گئے ہوش کہ پیغام اجل ہی یہ جواب
کوچۂ یار سے زخمی جو کبوتر آیا

دلِ عدو پاک میں ہی کاکلِ شکیں کا خیال
کہ مجھے گر یہ جو آیا تو معطر آیا

اے اجل تم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہلِ ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا

اپنی محفل سے یہ آزردہ اُٹھایا مجھ کو
کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

آپ سے تو نہیں جیتے ہی بن آئے گی
شیفتہ ضد پہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

۱۰

رات واں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح بلبل کی روش ہمہ تن افغاں دیکھا

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا

ہم نے کیا جانیے کس ذوق سے دی جاں دمِ قتل
کہ بہت اُس سے ستمگر کو پشیماں دیکھا

نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنے گلے پر دیکھیں
یوں تو سو بار ترا خنجرِ براں دیکھا

اس طرف کو بھی نگہ تا سرِ مژگاں آئی
پارے کچھ کچھ اثرِ گریۂ پنہاں دیکھا

پانی پانی ہوئے مرقد پہ مرے آ کے وہ جب
شمع کو نعش پہ پروانہ کی گریاں دیکھا

قطعہ

غم غلط کرنے کو احباب ہمیں جانب باغ
لے گئے گل تو عجب رنگ گلستاں دیکھا

وہ وہیں خاصیت انگیزہ سوزاں پائی
نسترن میں اثر خار مغیلاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
جسکو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا

کون کہتا ہے کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر
جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب ہجراں دیکھا

شیفتہ زلف پری رو کا پڑا سایہ کہیں
میں نے جب آپکو دیکھا تو پریشاں دیکھا

جفائے جور کا اس سے گلا کیا
جو پوچھے مہربانی کیا وفا کیا

وہ بے پروا جواب نامہ لکھے
خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا

دیا کیوں ہم نے اس بدخو پہ عاشق
ہمارا دوست کوئی بھی نہ تھا کیا

شمیم گل میں بو ہے پیرہن ہے
غلط ہے یہ کہ احسان صبا کیا

نہ لکھنا تھا غم ناکامی عشق
جواب نامہ سن لے مدعا کیا

ہمیں تھا آپ قصد عرض احوال
جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا

تماشا ہے جلے گر خانۂ غیر
وہ کہتے ہیں کہ آہ شعلہ زا کیا

فنائے عاشقاں عین بقا ہے
حیات زندگی کیسے خوں بہا کیا

اگر ہمی بوالہوس تو قتل کر چک ۔ عدو سے وعدۂ شوق آزما کیا

قطعہ

کہاں کل ہیں نے اے سرمایۂ ناز
تلوّن سے ہی تمکو مدّعا کیا

کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں
کبھی ہیوہ یہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں
کبھی خلوت میں یہ شرم وحیا کیا

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں
کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جانگزا کیوں
کبھی یہ غمزہ ہائے جانفزا کیا

کبھی شعروں سے میری نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تمنے کہا کیا

کبھی سنکے جسم یہ آزردہ ہونا
کہ کیا قیمت تھا جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر پھر نسکیں
پئے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا

یہ سب طول اُس نے سنکے بے تکلف
جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

۱۶

پر لوس عشق کے افسوں سے مائل ہو گیا
سنت ہیں مشہور ہیں لوگوں میں عامل ہو گیا

نہیں فرہاد وہ خسرو نہیں پھر کیا سبب
غیر کا مائل جو وہ شیریں شمائل ہو گیا

اشکباری ہمکناری کی ہوس میں رات بھی
قلزمِ گریہ کو اُسکا دہیان ساحل ہو گیا

زخم میرے خنجر خونریز تھے اغیار کو
بیوفائی سے خجل کسوقت قاتل ہو گیا

اہلِ وحشت کو مری شورش سے لازم ہی خطر
میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا

رشکِ خسرو نے تصرف تا بہ شیریں نے اثر
سینۂ فرہاد مثلِ بے ستوں سِل ہو گیا

ہی خراشِ ناخنِ غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلالِ غرہ تھا سو ماہِ کامل ہو گیا

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقۂ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا

اُس کے اُٹھنے ہی یہ ہلچل پڑگئی بس بزم میں
طورِ روزِ حشر سب کو طورِ محفل ہو گیا

ہوش تو دیکھو کہ سُنکر میری وحشت کی خبر
چھوڑ کر دیوانہ پن کو قیس عاقل ہو گیا

ہاتھ اُٹھایا اُس نے قتلِ بیگنہ سے پھر بعد
طالعِ اغیار سے جلاد عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے مٹایا کفر کو
تیرے آگے نقشِ مانی نقشِ باطل ہو گیا

پھیر کر تُو نے دم جو رو دیا وہ بڑی تسخیر تھی
آبِ چشمِ یار آبِ چاہِ بابل ہو گیا

ہی عدم میں بھی تلاشِ سرمہ و مشک و نمک
شیفتہ تیغِ نگہ سے کس کی گھائل ہو گیا

۲۰

یار کو محرم تماشا کیا
مرگ نے مفاجات لے یہ کیا کیا

آنچہ ہا ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں نے پا کیا

عرضِ تمنا سے رہا بیقرار — شب وہ مجھے بس لیے چھیڑا کیا

سرد ہوا دل وہ ہی غیروں سے گرم — شعلہ نے الٹا مجھے ٹھنڈا کیا

مہر قمر کا ہی اب اُن کو گماں — آہ فلک سیر نے یہ کیا کیا

اُنکو محبت ہی میں شک پڑ گیا — ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا

دیکھیے اب کون ملے خاک میں — یار نے گردوں سے کچھ ایما کیا

حسرتِ آغوش ہی کیوں ہمکنار — غیر سے کب اُس نے کنارا کیا

چشمِ عنایت سے بچی جان مجھے — نرگسِ بیمار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہی جو یار نے ایسا کیا

۲۱

اُس جنبشِ ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا — دل گوشت ہی ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا

کچھ تو ہی اثر کر ترے قربان خموشی — نالوں سے تو کچھ کام مرا ہو نہیں سکتا

گر غیر بھی ہو وقفِ ستم تو ہے مسلم — کچھ تم سے بجز جور و جفا ہو نہیں سکتا

کھولے گرہ دل کو ترا ناخنِ شمشیر — یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا

بیطاقت ہو خضر راہ میں اُس کوچہ کی مجھ — زنہار رہا سے راہ نما ہو نہیں سکتا

ایسے جو کہا ہمدم اغیار نہ پوچھے — تو چیں بجبیں ہو کے کہا ہو نہیں سکتا

یہ رازِ محبت ہے نہ افسانۂ بلبل — محرم ہو مری بادِ صبا ہو نہیں سکتا

کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے — وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے خفا ہے تو اُسے یہ بھی ہے زیبا
شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا

٢٢

صبح ہوتے ہی گیا گھر مہِ تاباں میرا — پنجۂ خور نے کیا چاک گریباں میرا

گرم گرم اُس رخِ نازک پہ نظر کی کس نے — رشکِ گلریز ہے کیوں دیدۂ گریاں میرا

وادیٔ نجد کو دلّی سے نہ دینا نسبت — ہے وہ مجنوں کا بیاباں یہ بیاباں میرا

دیکھ کر میری طرف ہنس کے کہا یہ دمِ قتل — آج تو دیکھ لیا آپ نے پیماں میرا

نہ گھر آیا نہ جنازہ پہ نہ مرقد پہ کبھی — حیف صد حیف نہ نکلا کوئی ارماں میرا

چارہ سازو کوئی رہتا ہے بجز چاک ہوئے — آپ سو پارہ سییں ہیں یہ گریباں میرا

اُسکی زلفوں کا نہو دھیان تو اے شیفتہ پھر
اس شبِ ہجر میں ہے کون نگہباں میرا

٢٣

گور میں یادِ قدِ یار نے سونے نہ دیا — فتنۂ حشر کو رفتار نے سونے نہ دیا

واہ اے طالعِ خفتہ کہ شبِ عیش میں بھی — وہمِ بیخوابیٔ اغیار نے سونے نہ دیا

وا رہیں صورتِ آغوش سحر تک آنکھیں — شوقِ ہمخوابیٔ دلدار نے سونے نہ دیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقف سے کھُلی
صبح تک دیدۂ بیدار نے سونے نہ دیا

طالعِ خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجے
پاؤں کو بھی خلشِ خار نے سونے نہ دیا

درد دل سے جو کہا نیند نہ آئی تو کہا
مجھکو کب نرگسِ بیمار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجراں نے کہا قصۂ گیسوئے دراز
شیفتہ تو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

24

آج ہی کیا آگ ہی سرگرم کین تو کب نہ تھا
شمع ساں مجبورِ خوئے آتشیں تو کب نہ تھا

آج ہی دعویٰ ہی کیا مجھکو بتانِ دہر سے
غیرتِ غلمان و رشکِ حور عین تو کب نہ تھا

آج ہی ہر بات پر بیجا کیا رُکتا ہے تو
اے ستمگر بر سرِ پرخاش و کین تو کب نہ تھا

آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں
مثلِ تیرِ غمزۂ ظالم دلنشیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا شرم و شوخی کو ملایا ہے بہم
غیر سے بیباک مجھ سے شرمگیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا ہی فلک پر شکوۂ فریادِ خلق
اے ستمگر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے
ای جفا جو درپئے جانِ حزیں تو کب نہ تھا

آج ہی باتیں بنائی یہاں کے آنے میں نہیں
حیلہ گر تو کب نہ تھا عذر آفریں تو کب نہ تھا

آج ہی اُٹھکر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا
مہوشِ شب کو کہیں دن کو کہیں تو کب نہ تھا

آج ہی ٹیکا لگانے سے لگے کیا چار چاند
بر تکلف بے تکلف مہ جبیں تو کب نہ تھا

آج ہی کچھ سوزِ ہجراں سے نہیں پروانہ وار
شیفتہ بیتاب رہے آتش نشیں تو کب نہ تھا

25

ہیں پریشاں گرد اور محفل نشیں تو کب نہ تھا
ہاں کہیں کس وقت تھا میں ہر کہیں تو کب نہ تھا

یہاں سبک حرفِ محبت ملا واں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

ناصح و واعظ کی مطعون اے صنم ہم کب نہ تھے
آفتِ جان و بلائی عقل و دیں تو کب نہ تھا

انتہا کی بات ہی یہاں ابتدائے عشق ہے
ہم نہ تھے کب عجز گستر خشمگیں تو کب نہ تھا

جستجو میں سرمۂ تسخیر کی ہم کب نہ تھے
چشم افسوں ساز سے سحر آفریں تو کب نہ تھا

تجھکو شک الفت میں اپنے ہمکو وہم ربطِ غیر
بدگماں ہم کب نہ تھے اور بے یقیں تو کب نہ تھا

ناشکیبا مضطربِ شفقتِ ستم ہم کب نہ تھے
بے مروت بیوفا مصروفِ کیں تو کب نہ تھا

تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اٹھاتے کب نہ تھے
اے ستمگر شیفتہ کا ہمنشیں تو کب نہ تھا

26

میں وصل میں بھی شیفتہ حسرت طلب رہا
گستاخیوں میں بھی مجھے پاسِ ادب رہا

تغیرِ وضع کی ہے اشارہ وداع کا
یعنی جفا پہ خوگرِ الطاف کب رہا

میں رشک سے چلا تو کہا بے سبب چلا
اس پہ جو رہ گیا تو کہا بے سبب رہا

دم بھر بھی غیر پہ نگہ لطف کیوں ہے آ
اک عمر میں ستم کش چشمِ غضب رہا

کہتا شیب تو آدمیں بھی اثر جذب دلمیں بھی
کیونکر نہ آئے شیفتہ مجھکو عجب رہا

27

بسکہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

عمر کٹتی ہی تصور میں سرخ و کاکل کے
رات دن اور ہی لے گردش ایام اپنا

وہاں یہ قدغن کہ نہ آواز فغاں بھی پہنچے
یہاں یہ شورش کہ گذرا ہو لب بام اپنا

اُس سے نازک کو کہاں گرمی صحبت کی تاب
بس کلیجانہ پکا اے طمع خام اپنا

تپش دل کے سبب سے ہی مجھے خواہش مرگ
کون ہی جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا

بادہ نوشی سے ہماری جو لہو خشک ہوا
خون اغیار سے لبریز ہے کیا جام اپنا

لطف سمجھوں تو بجا جور بھی سمجھوں تو درست
تم نے بھیجا ہی مرے پاس جو ہمنام اپنا

ذکر عشاق سے آتی ہی جو غیرت اُسکو
آپ عاشق ہی مگر وہ بت خود کام اپنا

تاب بوسہ کی کسی شیفتہ وہ دیں بھی اگر
کرچکی کام یہاں لذت دشنام اپنا

28

جی داغ غم رشک سے جل جائے تو اچھا
ارمان عدو کا بھی نکل جائے تو اچھا

پروانہ بنا پھر سے جلانے کو وہ قادر
محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

کس چین سے نظارہ ہر دم ہے [illegible] سر
دل کچھ وہ [illegible] میں [illegible] جل جائے تو اچھا

تم عجز کے قابو سے نکل آؤ تو بہتر — حسرت یہ میرے دل کی نکل جائے تو اچھا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا ابھی سنبھل جائے تو اچھا

29

پلا جام ساقی مے ناب کا — کہ کچھ حظ اٹھے سیر مہتاب کا

دل زار کا ماجرا کیا کہوں — فسانہ ہے مشہور سیماب کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے — غلط شوق ہے جنس نایاب کا

نکیجو غل اے خوشنوایان صبح — یہ ہے وقت انکے شکر خواب کا

محبت نہ ہرگز جتائی گئی — رہا ذکر گل اور ہر باب کا

دم سرد سے لا نہ طوفان باد — نہ سن ماجرا چشم پر آب کا

وہاں بیخودوں کی خبر کون لے — جہاں شغل ہو بادہ ناب کا

وہاں تیرہ روزوں کی پروا کسے — جہاں شوق ہو سیر مہتاب کا

وہ تشخیص شخصی بھی جاتی رہی — کنارا اٹھتے ہی جلباب کا

بن لے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں — جفا ہیں تہیہ خلل اسباب کا

پڑے ہے صبر آرام کی جان پہ — مری جان نے صبر بیتاب کا

لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی — ہوا ہیں ہے کچھ رنگ عناب کا

نہ کرنا خطا پہ نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہے احباب کا

تقلید عدو سے ہمیں ابرام نہ ہوگا
ہم خاص نہیں اور کرم عام نہ ہوگا

صیاد کا دل اس سے پگھلنا متعذر
جو نالہ کہ آتش فگن دام نہ ہوگا

جس سے ہے مجھے ربط وہ ہے کون کہاں ہے
الزام کے دینے سے تو الزام نہ ہوگا

بیداد وہ اور اس پہ وفا یہ کوئی مجھ سا
مجبور ہوا ہے دل خود کام نہ ہوگا

وہ غیر کے گھر نغمہ سرا ہونگے مگر کب
جب ہم سے کوئی نالہ سرانجام نہ ہوگا

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

قاصد کو کیا قتل کبوتر کو کیا ذبح
لیجائے مرا اب کوئی پیغام نہ ہوگا

جب پردہ اٹھا تب ہے عدو دیکھ نہ سکتا
آزار عدو سے مجھے آرام نہ ہوگا

یہاں جیتے ہیں امید شب وصل پہ اور واں
ہر صبح توقع ہے کہ تا شام نہ ہوگا

قاصد ہے عبث منتظر وقت کہاں تک
کس وقت انھیں شغل مے و جام نہ ہوگا

دشمن لب دشنام بھی ہے طالب بوسہ
محو اثر لذت دشنام نہ ہوگا

رخصت بس اب اے نالہ کہ یہاں ٹھہر چکی ہے
نالہ نہیں جو آفت اجرام نہ ہوگا

برق آئینہ فرصت گلزار ہے اس میں
آئینہ نہ دیکھے کوئی گلفام نہ ہوگا

اے اہلِ نظر ذرہ میں پوشیدہ ہی خورشید
ایضاح سے حاصل بجز ابہام نہو گا

اس ناز و تغافل میں ہی قاصد کی خرابی
بیچارہ کبھی لائقِ انعام نہو گا

اُس بزم کے چلنے میں ہو تم کیوں متردد
کیا شیفتہ کچھ آپ کا اکرام نہو گا

31

دیکھوں تو کہاں تک وہ تلطف نہیں کرتا
آزار سے اگرچہ تو میں اُف نہیں کرتا

تم دیتے ہو تکلیف مجھے ہوتی ہی راحت
سچ جانئے ہیں اسمیں تکلف نہیں کرتا

سب باتیں انھیں کی ہیں سچ سچ بولیو قاصد
کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا

سو خوف کی ہو جائے مگر رند نظر باز
دل جلوہ گہہ لانشف و شف نہیں کرتا

شوخی سے کسی طرح سے چین اسکو نہیں ہی
آتا ہی مگر آکے توقف نہیں کرتا

اُس شوخ ستمگر سے پڑا ہی مجھے پالا
جو قتل کئے پر بھی تاسف نہیں کرتا

جو کچھ ہی انا میں وہ ٹپکتا ہے انا سے
کچھ آپ سے میں ذکر تصوف نہیں کرتا

تسکین ہو کیا وعدہ سے معشوق کے آخر
ہر چند سنا ہی کہ تخلف نہیں کرتا

کیا حال تمھارا ہی ہمیں بھی تو بتا دو
بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

32

اپنی خوار ہیں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

مشاطہ نے مگر عملِ سیمیا کیا — گل برگ کو جو غنچۂ سوسن بنا دیا
دامن تک اُس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ — جس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا
دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغِ حسن — پردے کو اُس کے جلوے نے چلمن بنا دیا
تم لوگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار — شب موم کر لیا سحر آہن بنا دیا
پروانہ ہے خموش کہ حکمِ سخن نہیں — بلبل ہے نغمہ گر کہ نوازن بنا دیا
صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو — صحرا کو جسکے جلوہ نے گلشن بنا دیا
مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں — اُس نے ہی کیا نگہ کو بھی پُرفن بنا دیا

اظہارِ عشق اُس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

33

کیا لائقِ زکوٰۃ کوئی بے نوا نہ تھا — انفاسِ یاد میں نفسِ آشنا نہ تھا
اس قوم کی سرشت میں ہی کم محبتی — شکوہ جو اُس سے تھا مجھے ہرگز بجا نہ تھا
تاثیرِ نالہ نکتۂ بعید الوقوع ہے — یہاں غیرِ رسم اور کوئی مدعا نہ تھا
وحشت تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ تپش نہ تھی — شورش بھی تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ مزا نہ تھا
اُنکی نگاہِ ناز عجب تازیانہ تھی — مقدور پھر اُدھر نظرِ شوق کا نہ تھا
افسوس وہ مظاہرِ کونی میں پھنس گیا — جو عالمِ عقول سے نا آشنا نہ تھا

شرماتے اسقدر رہے کیوں آپ رات کو
مدت ہیں گو ملے تھے مگر میں نیا نہ تھا

بے پردہ اُنکے آنے سے حیرت ہوئی مجھے
وصلِ عدو کی رات تھی روزِ جزا نہ تھا

نان و نمک کی بھی ہمیں توفیق شیفتہ
ساز و نوا کے واسطے برگ و نوا نہ تھا

کل نغمہ گر جو مطرب جادو ترانہ تھا
ہوش و حواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا

یہ بت کہ جائے شیب ہی جب تھا نقاب میں
عہدِ شباب اور بتوں کا زمانہ تھا

معلوم ہی ستاتے ہو ہر ایک بہانہ سے
قصد اُنہ آئے رات حنا کا بہانہ تھا

حسرت سے اُسکے کوچہ کو کیونکر نہ دیکھئے
اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا

کیا میکدوں میں ہے کہ مدارس میں وہ نہیں
البتہ ایک والِ دل نے مدعا نہ تھا

ساقی کی سن لے مدد نہ بنی بات رات کو
مطرب اگرچہ کام میں اپنے یگانہ تھا

کچھ آج اُنکی بزم میں بیٹھے ہیں بند و بست
آلودہ می سے دامنِ بادِ صبا نہ تھا

دشمن کے فعل کی تھیں توجیہ کیا ضرور
تم سے فقط مجھے گلہ دوستانہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے
آنکھوں میں نشہ اور لبوں پہ ترانہ تھا

تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب
نیند اُنکو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب

شکوہ مجھے نہو جو مکافات حد سے ہو
وہاں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب

یہ ڈر رہا کہ سوتے نہ پائیں کہیں مجھے
وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب

سچ تو یہ ہے کہ بول گئے اکثر اہلِ شوق
بلبل نے کی جو نالہ سرائی تمام شب

دم بھر بھی عمر کھوئی جو ذکرِ رقیب میں
کیفیت وصال نہ پائی تمام شب

تھوڑا سا میرے حال پہ فرما کر التفات
کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب

وہ آہ تار و پود ہو جسکا ہوائے زلف
کرتی ہے عنبری و صبائی تمام شب

وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

افسانے سے بگاڑ ہے ان بن ہی خواب سے
ہے فکرِ وصل و ذکرِ جدائی تمام شب

جس کے شمیم زلف پہ ہیں غش ہوں شگفتہ
اس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

یوں بزمِ گلرخاں میں ہے اس دل کو اضطراب
جیسے بہار میں ہو عنادل کو اضطراب

نیرنگ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں
بسمل کو اضطراب ہے قاتل کو اضطراب

آجائے ہمنشیں وہ پری وش تو کیا نہو
دیوانہ وار ناصحِ عاقل کو اضطراب

سیماب وار سارے بدن کو ہے یہاں طپش
تسکین ہو سکے جو ہو اک دل کو اضطراب

وہ با ادب شہید ہوں میرا جو نام لے
قاتل تو پھر نہو کسی بسمل کو اضطراب

افسوس یاد آہ سے ہل بھی نہ جائے اور
یوں ہو ہولے سے پردۂ محمل کو اضطراب

مین جاں بلب ہوں اور خبر وصل جان طلب
کیا کیا نہیں دہندۂ وسائل کو اضطراب

لکھا ہی خط میں حال دلِ بیقرار کا
ہوگا ضرور **شیفتہ** حامل کو اضطراب

37

کیا اُٹھ گیا ہی دیدۂ اغیار سے حجاب
ٹپکا پڑے ہی کیوں نگۂ یار سے حجاب

لاؤ نعم نہیں جو تمنائے وصل پر
انکار سے حجاب ہی اقرار سے حجاب

تقلید شکل چاہیے سیرت میں بھی سجھے
کب تک رہے مجھے ترے اطوار سے حجاب

دشنام دیں جو بوسہ میں ابرام ہم کریں
طبع غیور کو ہے پر اصرار سے حجاب

رندی میں بھی گئی نہ یہ مستوری وصلاح
آتا ہی مجھکو محرم اسرار سے حجاب

وہ طعنہ زن ہی زندگی ہجر پر عبث
آتا ہی مجھکو حسرت دیدار سے حجاب

جوشِ نگاہ دیدۂ حیراں کو کیا کہوں
ظاہر ہے روئے آئینہ رخسار سے حجاب

روز و شب وصال مبارک ہو **شیفتہ**
جورِ فلک کو ہی ستمِ یار سے حجاب

38

دشمن سے ہی برے دلِ مضطر کی شکایت
کیونکر نہ کروں شوخیٔ دلبر کی شکایت

دیوانۂ الفت ادب آموز خرد ہے
سودے میں نہیں زلف معنبر کی شکایت

تاثیر نہ کر قتل شہیدانِ وفا میں
ہر ایک کو ہی تیزیِ خنجر کی شکایت

تاثیر ہو کیا اُن لب و دنداں کا ہوں ہمایہ
نے لعل کا شکوہ ہی نہ گوہر کی شکایت

کیوں بوالہوسوں سے دلِ عاشق کا گلہ ہے
غیروں سے بھی کرتا ہی کوئی گھر کی شکایت

اب ظلم سرشتوں کی نگہ سے ہوں مقابل
ہوتی تھی کبھی کاوشِ نشتر کی شکایت

یہاں کانٹوں پہ بھی لوٹنے میں چین نہیں ہے
واں غیر سے ہی پھولوں کے بستر کی شکایت

تعلیم بد آموز کو ہم کرتے ہیں یعنی
ہی شکوہ وفا جو پہ ستمگر کی شکایت

بے پردہ وہ آئینگے تو کیسے مجھے ہوگی
اے شیفتہ ہنگامۂ محشر کی شکایت

۳۹

اُس وفا کی مجھ سے پھر امیدواری ہی عبث
دلفریبی کی لگاوٹ یہ تمہاری ہی عبث

دشمنی کو جو کہ احساں جانتا ہو ناز سے
اُس ستم ایجاد سے امیدِ یاری ہی عبث

غمزہ ہائے دوست بعد از مرگ بھی نظروں میں ہیں
وہم راحت ہے عدو کو بیقراری ہی عبث

سحر میں کب پھل لگا تاثیر کیا ہو آہ میں
چشمِ تر کی صورتِ ابر اشکباری ہی عبث

ہم نے غافل پا کے تجھکو اُسکو دل دیدیا
اے ستمگر اب تری غفلت شعاری ہی عبث

ہجر میں چرخ و اجل نے گر نہ کی یاری تو کیا
دشمنوں سے شیفتہ امیدواری ہی عبث

نہ کر فاش رازِ گلستاں عبث
نہ ہو بلبلِ زار نالاں عبث

کفایت تھی مجھ کو تو چینِ جبیں
کیا قتل کا اور ساماں عبث

مقدم ہے ترکِ عدو کی قسم
وگرنہ یہ سب عہد و پیماں عبث

جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر
شکایات خارِ مغیلاں عبث

تکبر گدائے خرابات سے
ندائے خواجہ کھو جان و ایماں عبث

وہاں صوت مینا و آواز ساز
خوش آہنگیِ مرغِ شب خواں عبث

وہاں دس بجے دن کو ہوتی ہے صبح
سحر خیزیِ عندلیباں عبث

دمِ خضر ہے چشمۂ زندگی
سکندر سرِ آبِ حیواں عبث

پری کا وہاں مجھ کو سایہ ہوا
نہیں اشتیاقِ دلستاں عبث

طلبگار راحت ہیں نادردمند
اگر درد ہے فکرِ درماں عبث

یہ نازک مزاجوں کا دستور ہے
خشونت ہے اندوہِ حرماں عبث

شکایت کو اس نے سنا بھی نہیں
کھلا غیر پر رازِ پنہاں عبث

مرے غم میں گیسوئے مشکیں نہ کھول
نہ ہو خلق کا دشمنِ جاں عبث

محبت جتاتا ہوں ہر طور سے
اثر کی نظر سوئے افغاں عبث

نہ سمجھا کسی نے مجھے کل نہ صبح
ہوا ٹکڑے ٹکڑے گریباں عبث

مجھے یوں بٹھاتے وہ کب بزم میں
اُٹھائے رقیبوں نے طوفاں عبث

یہ اندازِ دلکش کہاں شیفتہ
جگر کا دیِ مرغِ بستاں عبث

اے شیفتہ نوید شبِ غم سحر ہے آج
ہمتابِ آفتاب فروغِ قمر ہے آج

آہنگ دلپذیر سے مطرب ہی جاں نواز
آہِ جگر خراش کا ظاہر اثر ہے آج

دل سے کشادہ تر ہو کیونکر فضائے بزم
تنگیِ خانہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

فانوس میں نہ شمع نہ شیشہ میں ہی پری
ساغر میں جیسے ہار سے می جلوہ گر ہے آج

پروانوں کا دماغ بھی ہے آسمان پہ
نورِ چراغ میں جو فروغِ قمر ہے آج

ہر سمت جلوہ گر ہیں جو انانِ لالہ رو
گلزار جسکو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج

ساماں وہ کہ آئے نہ چشمِ خیال میں
آ اے رقیب دیکھ کہ پیشِ نظر ہے آج

وہ دن گئے کہ ربطِ سر و سنگ تھا بہم
شکرانہ کے سجود ہیں اور اپنا سر ہے آج

اسبابِ عیش یہ جو مہیا ہی شیفتہ
کیا پردہ تم سے آپکی اُنکی خبر ہی آج

شیفتہ ہجر میں تو نالۂ شبگیر نہ کھینچ
صبح ہونے کی نہیں خجلتِ تاثیر نہ کھینچ

اے ستمگر رگِ جاں میں ہی مری پیوستہ
دم نکل جائیگا سینہ سے مرے تیر نہ کھینچ

عدو پر بھی کوئی کرتا ہے عمل دنیا میں
رنج بیہودہ بس اے عامل تسخیر نہ کھینچ

عشق سے کیا ہی مجھے شکل تری کہتی ہے
حسن تقریر کو آہیں دم تقریر نہ کھینچ

ہے یہ سامان صفائی کا عدو سے کیونکر
دست مشاطہ سے یوں زلف گرہ گیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ کچھ امید تلافی تو ہے
دست نازک سے مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ

چارہ گر فکر کر اس میں کہ مقدر بدلے
ورنہ بیہودہ اذیت سے پے تدبیر نہ کھینچ

کون مجرم ہے جو شایق تعزیر نہیں
شوق تعزیر سے تو حسرت تقصیر نہ کھینچ

وجد کو زمزمہ مرغ سحر کافی ہے
شیفتہ ناز مغنی و مزامیر نہ کھینچ

ناصح تپاں ہے شیفتہ تر نیم جاں کی طرح
کیا دل میں چبھ گئی نگہ جانستاں کی طرح

بہتر ہے آپ غیر سے دل کھول کر ملیں
آخر تو یہ بھی مہر ہی ہے امتحان کی طرح

اس شمع رو کی بزم میں مانع نہ تھا کوئی
ہے بے تپاک جو نالہ آتش فشاں کی طرح

کیوں ہر نفس ہے شہد خموشی سے بند لب
بھائی ہے دل کو تیرے شیریں بیاں کی طرح

لڑنے میں آشتی نہ تغافل میں التفات
یہ جور کی نکالی ہے تم نے کہاں کی طرح

خمیازہ بند بند گسل ہے خمار سے
بدمست کر گئی یہ کس ابرو کماں کی طرح

ہر ہر قدم پہ رشک سے جلتی ہے شمع فند

چلتا ہی وہ بھی شیفتہ میری زباں کی طرح ۴۳

دیا ہی بوسہ نہ مجھے جبکہ میں ہوا گستاخ
غلط ہی بات کہ کم رزق ہی گدا گستاخ

تمھاری بزم میں افسردہ میں نہ بیٹھونگا
نسیم باغ میں چالاک ہی صبا گستاخ

کہاں ہی عزتِ شوخی کہ جائے عزت ہی
نگاہِ یار سے ہر وقت ہی حیا گستاخ

سفیہہ جیب کہ حد سے چل نکلتے ہیں
غرورِ مہر و وفا نے مجھے کیا گستاخ

لبوں سے جان ہی گستاخ ذوقِ بیحد سے
زبان بوسہ نہ مجھے تو نے کیوں کہا گستاخ

قبول کیوں نہ ہوئی خواہشِ ہم آغوشی
کہ آشناؤں سے ہوتے ہیں آشنا گستاخ

عنانِ ضبط کوئی شیفتہ سے تھمتی ہی
کہ ہر کرشمہ ہی چالاک و ہر ادا گستاخ ۴۴

روزِ غم میں کیا قیامت ہی شبِ عشرت کی یاد
اشکِ خوں سے آگئیں رنگینیاں صحبت کی یاد

میری حالت دیکھ تو تغیر کتنے ہو چکی
وصل کے دن دمبدم کیوں شیشۂ ساعت کی یاد

میں ہوں بیکس اور بیکس پر ترحم ہے ضرور
حسنِ روز افزوں دلا دینا مری حالت کی یاد

طاقتِ جنبش نہیں اس حال پر قصدِ عدم
مرگئے پر بھی رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد

غالباً ایامِ ہجراں بیخودی میں کٹ گئے
آتی ہی پھر آر تو بھولی ہوئی مدت کی یاد

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ ۴۵

ایسی حسرت سے جو ہی گذری تہی الفت کی یاد

طلب بوسہ پر اُس لب سے شکر آب لذیذ
تند ہی تلخ ہی لیکن ہی مئے ناب لذیذ

کچھ مزا تو نہ سمجھ خضر اسیر عشرت
سب مزاجوں میں نہیں ایک سے اسباب لذیذ

سم کی تاثیر کرے ہجر میں آب حیواں
مئے گلگوں کے سوا وصل میں ہی آب لذیذ

زوّر نالہ سہی پر نہیں مقبول فغاں
تا نہ معلوم ہو تلخی سے مئے ناب لذیذ

شیفتہ ذوق سحر اُس لیے کہاں دیکھا ہی
وہ جو کہتا ہی کہ ہی آخر شب خواب لذیذ

وصل کے لطف اُٹھاؤں کیوں کر
تاب اُس جلوے کی لاؤں کیوں کر

گرمجوشی کا کروں شکوہ کہ وہ
کہتے ہیں تجھکو جلاؤں کیوں کر

کیا کروں ہائے میں بیتابئ شوخ
چین سے پاس بٹھاؤں کیوں کر

ہر بنِ مو سے دھواں اُٹھتا ہے
آتشِ غم کو چھپاؤں کیوں کر

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

یاد نے جس کی بھلایا سب کچھ
اُس کی میں یاد بھلاؤں کیوں کر

آپ بھایا مجھے رونا اپنا
کہتے ہیں ہائے میں جاؤں کیوں کر

چارۂ عجز سے فرصت ہی نہیں
دردِ دل اُس کو سناؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

اُس کے آتے ہی بھڑک اٹھی اور
آتشِ دل کو بجھاؤں کیوں کر

شورِ محشر ابھی چونک اُٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر

شیفتہ آیا ہوں میں کسکا تماشا دیکھکر
رہ گئے حیران مجھکو سب خود آرا دیکھکر

شوقِ خوباں اُڑ گیا حوروں کا جلوہ دیکھکر
ہیچ دُنیا مٹ گیا آرام عقبیٰ دیکھکر

ہے وہ آتش جلوہ اشک افشاں ہمارے شور سے
شمع رو دیتی ہے پروانہ کو جلتا دیکھکر

خیر جو گذری سو گذری پر یہی اچھا ہوا
خط دیا تھا نامہ بر نے اُسکو تنہا دیکھکر

سائلِ مبرم کی پھبتی مجھ پہ فرمانے لگے
آرزوئے شوق کا گرم تقاضا دیکھکر

ہے وہاں سُستی طلب میں جان پیاری نہیں
کام کرتے ہیں مزاج کا [illegible] دیکھکر

ہیں تو دو نو سخت لیکن کونسا ہے سخت تر
اپنے دلکو دیکھیے میرا کلیجا دیکھکر

گاؤں بھی ہمکو غنیمت ہے کہ آبادی تو ہے
آ رہے ہیں ہم سخت پر آشوب صحرا دیکھکر

اب کسے لاؤں گواہی کے لیے روزِ جزا
میرے دشمن ہو گئے اُس کو احبّا دیکھکر

ہیں کمینِ توبہ میں ہم آپ لیکن کیا کریں
منہ میں بھر آتا ہے پانی جام و مینا دیکھکر

التماسِ وصل پہ بگڑی تھی بعدِ صد رات کو
کچھ نہ بن آئی مگر جوشِ تمنّا دیکھکر

دوستی کرتے ہیں ارباب غرض ہر کسے
میرے عاشق ہیں عدو اب ربط اس کا دیکھکر

بے نقط مجھکو سناوگے جو دیکھوگے ستم
آپ عاشق تو ہوئے ہیں شوق میرا دیکھکر

پھر کہوگے اس کو دل فرماؤ ای ارباب دل
جو ہو بیتاب و مضطر ہوئے زیبا دیکھکر

یار پہلو میں نہیں می جام و مینا ہیں نہیں
تم ہوئے حیران مجھکو ناشکیبا دیکھکر

ناگہاں باد موافق شیفتہ چلنے لگی
جان پہ کل بن رہی تھی شور دریا دیکھکر

تھا قصد بوسہ نشہ میں سرشار دیکھکر
غش آگیا مجھے انھیں ہشیار دیکھکر

کچھ بیم قتل سے نہیں آنکھوں میں اشک سرخ
کھاتا ہی جوش خوں تری تلوار دیکھکر

جانتے ہیں اور منع کی طاقت نہیں مگر
سہجتا ہیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھکر

پردہ کسی کا یاد نہ سنے پردگی ہی یاد
غش ہوگیا میں کعبہ کی استار دیکھکر

سرخیل عاشقاں مجھے کہتے ہیں بوالہوس
عاشق کا اس کو مائل آزار دیکھکر

آتی ہیں یاد کاکل و دل کی حکایتیں
روتا ہوں دام و مرغ گرفتار دیکھکر

کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
صورت کسی کی ہیں سر دیوار دیکھکر

رحم ایسی سادگی پہ ستمگر ضرور ہے
عاشق ہوے ہیں ہم تجھے پرکار دیکھکر

کم رغبتی سے لیتے ہیں دل ہوشیار ہیں
بڑھتا ہی ہوں شوق خریدار دیکھکر

کہتا تھا وقت مرگ کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسیکو دل تو وفادار دیکھکر

٤٩

یوں پاس بوالہوس ہیں چشم غضب سے دور	یہ بات ہے بری دل عاشق طلب سے دور
دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلی لب پہ آئے	باتیں خلاف وضع ہیں اہل ادب سے دور
مجھکو سنا کے کہتے ہیں ہمدم سے یاد ہے	اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور
جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے نہ دے کبھی	رکھیو الٰہی ایسے کے مجھکو غضب سے دور
کیونکر میں انجمن میں تمھاری شریک ہوں	ارباب رنج رہتے ہیں اہل طرب سے دور
ہم سے اسے معاملہ تھا جان و جسم کا	ہرگز ملا نہ گاہ ہوا ہائے جب سے دور
تو بھی جو میرے پاس نہ آئے تو کیا کروں	تیرے ہی پاس سے تو میں رہتا ہوں سب سے دور
میں غیر بوالہوس نہیں ڈرتے ہو کس لیے	مجھ سے نہ رکھو بوسہ میں تم لب کو لب سے دور
بوس و کنار کی نہ کرونگا ہوس کبھی	یہ خواہشیں ہیں عاشق حسرت طلب سے دور

آغاز عمر ہی میں ہے ہمکو خیال حج
تلّی جو شیفتہ ہے دیار عرب سے دور

٥٠

ہم بے نشان اور وفا کا نشاں ہنوز	ہے خاک تن ہوا و ہوا خوں فشاں ہنوز
بیت الحزن میں نغمۂ شادی بلند ہے	نکلا ہے باب مصر سے ہی کارواں ہنوز

صبح شبِ وصال نئی صبح ہے مگر
پروین ہے تو بلکہ گرد کہکشاں ہنوز

ہرگز ابھی شکایتِ دشمن نہ چاہیے
ہم پر بھی یار خوب نہیں مہرباں ہنوز

کیونکر کہیں کہ چھٹ گئے ہم بندِ جسم سے
اُس زلف پیچ پیچ میں اُلجھی ہے جاں ہنوز

جو بات میکدہ میں ہے ایک ایک زبان پہ
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

ضبط و شکیب یہاں ہے نقابِ جمالِ شوق
بیہودہ وہاں نہیں ہے سرِ امتحاں ہنوز

مدت ہوئی بہارِ جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گلِ بے خزاں ہنوز

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکۂ آسماں ہنوز

ناآشنا ہے تیغ سے آشنا ابھی
ناآشنا ہے لب سے ہماری فغاں ہنوز

آشفتہ زلف چاک قبا نیم باز چشم
ہیں صحبتِ شبانہ کی ظاہر نشاں ہنوز

اے موجِ نسیم ذرا اور ٹھہر جا
ہے خاک پر ہمارے وہ دامن فشاں ہنوز

میخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اسکے تو پیرہن تلک ہی نکہت اور تھی
کچھ رہ سکے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

آتا ہوں میں وہیں سے ذرا صبر شیفتہ
سوئے کہیں ابھی ہیں پاسباں ہنوز

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں پی کے مے صوفی
مست سوتے ہیں صبح تک شب خیز

رند کیا یاں تو شاہد و مے سے
پارسا کو نہیں گزیر و گریز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں
خطرِ عشر و بیمِ رستاخیز

ہے غریبوں کو جرأت فرہاد
ہے فقیروں کو عشرتِ پرویز

عیش نے یہاں بٹھا دیا ناقہ
غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز

کوئی یہاں غم کو جانتا بھی نہیں
جنس غم عشق سو ہے عیش آمیز

بادِ صرصر یہاں نسیم چمن
نارِ عنصر سے آتش گل تیز

بوستاں کی طرح یہاں صحرا
دل کشا دلپذیر دل آویز

کوئی پامال جورِ چرخ نہیں
کتنی ہے یہ زمین راحت خیز

اثر زہرہ اس میں یہاں پایا
وہ جو مریخ ہے بڑا خونریز

شیفتہ تھام لو عنانِ قلم
یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

دور رہنا ہم سے کب تک اور بیگانے کے پاس
ہیں قریبِ مرگ کیا اب بھی نہیں آنے کے پاس

جلوہ آرا بسکہ تھا وہ شمع بیمار رات کو
ہم بھی مر کر رہ گئے مجلس میں پروانے کے پاس

آفریں طغیانِ وحشت مرحبا جوشِ جنوں
غیر سے کہوائیں یا وہ دل سے سمجھوائیں گے ہم

وہ یہ کہتے ہیں کہ کیونکر جائیں دیوانے کے پاس
دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیونکر نہیں آنے کے پاس

شیفتہ نے قصۂ مجنوں سنایا رات کو
آگیا میرا انہیں سنتے ہی افسانے کے پاس
53

اٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش
طلسم ہوش ربا ہی دکانِ بادہ فروش

کھلا جو پردۂ روئے حقائقِ اشیا
کھلی حقیقتِ رازِ نہانِ بادہ فروش

فسردہ طینتی و کاہلی سے ہم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکانِ بادہ فروش

یقین ہی کہ ہو نایاب مفت ہاتھ آئے
یہ جی میں ہی کہ ہوں میہمانِ بادہ فروش

قدح سے دل ہی مراد اور مے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبانِ بادہ فروش

عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آنکلیں
کہ ہی گذرگہِ خلق آستانِ بادہ فروش

مے و سرود کے اسرار آپ آ کر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ہوں راز دانِ بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
جز اس کے اور نہیں امتحانِ بادہ فروش

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھولی دکانِ بادہ فروش

عبث ہی شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملیگا بادہ کشوں سے نشانِ بادہ فروش
54

اُن کو دشمن سے ہی محبت خاص / یہ ہمارا ہے ثمرۂ اخلاص

وجد میں لائے اہل درد ہمیں / باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

دل کے ٹکڑے اڑا نہیں ہے گناہ / نفس کو قتل کر نہیں ہی قصاص

حسن باطن ز بوئی ظاہر / ہے مئے ناب اور جام رصاص

کیا مزا تم سے آشنائی کا / ماشدہ بنم مدامنۃ الاخلاص

ہجر زہر اور وصل ہے تریاق / زہر و تریاق کا جدا ہی خواص

قسمت اُس کی خبر نہ ہو جسکو / عام اس دور میں ہی بادۂ خاص

دام سے تیرے موسم گل میں / بلبلوں کو نہیں ہوا ہے خلاص

شیفتہ نے ہمارے داد نہ دی / سچ ہے القاص لایحب القاص

ہی دلکو یوں تیرے دمِ اعجاز اثر سے فیض / غنچہ کو جیسے موجۂ بادِ سحر سے فیض

عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم / پاتے ہیں لوگ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

ہی عالم کبیر میں بھی یوں ہی جس طرح / دل سے جگر کو فیض ہی دلکو جگر سے فیض

آزردۂ جفائے دمی و تیر کو نہیں / یک ذرہ آب و آتش لعل و گہر سے فیض

اپنے نہاد میں نہیں احساں فراموشی / پایا ہی ہم نے صاعقہ کا ابر تر سے فیض

ہنر کسب کر کہ عشرتِ خسرو نصیب ہو
لگتے ہیں اُس کے سینہ دہر سے مدام ہم
ارباب خانقاہ ہیں محتاج اغنیا
بلبل ہمارے گھر وہ خود آتے ہیں رحم سے

فرہاد کو سُنا ہی ہوا جو ہنر سے فیض
ہوتا ہی ہمکو ، وزمہ سیمبر سے فیض
کافی ہی ہمکو پیرِ مغاں تیرے در سے فیض
افزوں ہی نے پری میں یہاں بال و پر سے فیض

خرم نہاد میکش و زاہد شگفتہ دل
ہے شگفتہ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

لازم ہے بیوفا تجھے اہلِ وفا سے ربط
یہ ناخن و خراش میں بگڑی کہ کیا کہوں
ناصح مری ملامتِ بیجا سے فائدہ
اُس سرد مہر کو ہوا اثر پہ جو ہو سکے
کیجے گر اُن سے شکوۂ انجام کارِ عشق
دو دن میں تنگ ہو گئے جورِ سپہر سے
کیا تجھے بدگمانی ابرو کا دھیان ہے
تیرے ستم سے ہی یہ دعا لب پہ دمبدم
صبحِ شبِ فراق کا کیا لطف مرگ سے

کیسا ہی دیکھ عکس اُسکا ادا سے ربط
اک دم ہوا جو عقدۂ بندِ قبا سے ربط
بے اختیار دلکو ہی اُس دلربا سے ربط
کام و دہاں کو ہے دمِ شعلہ نوا سے ربط
کہتے ہیں مجھکو تم سے نہ تھا ابتدا سے ربط
اس حوصلہ پہ کرتے تھے اُسکی جفا سے ربط
کرتے وگرنہ ہجر میں تیغِ قضا سے ربط
یارب نہو کسی کو کسی بیوفا سے ربط
کیا دیر میں ہوا ہمیں اُس آشنا سے ربط

فریادِ نزع کان تک اُس کے نہ جا سکے
تھا شیفتہ ہمیں نفسِ نارسا سے ربط
57

ترے فسوں کی نہیں میرے دل میں جا واعظ
صنم پرستی نہ ہو بندۂ ریا واعظ

کسی صنم نے مگر آپ کو جلایا ہے
نہیں تو حور و پری کیوں اسقدر تمنا واعظ

تمہارے حسن جہاں سوز میں جلتا ہوں
کہ ہیں رقیب مرے شیخ و پارسا واعظ

ملا کے دیکھیں کہ ہے خوب کون دونوں میں
ہم اُس کو لاتے ہیں تو حور کو بلا واعظ

ترے فسونِ اثر پر ہے رسا تر سی
فغاں نے لے اثر و آہ نارسا واعظ

لگی تھی حالتِ رندی میں اُسکو کیا یارو
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ
58

خورشید کو اگرچہ نہ پہنچی ضیائے شمع
پروانہ کو پسند نہیں پر سوائے شمع

اس تیرہ روزگار میں مجھسا جگر گداز
مشعل جلا کے ڈھونڈھے اگر تو نہ پائے شمع

روزِ فراق میں ہے قیامت جمالِ گل
شبہائے ہجر میں ہے مصیبت لقائے شمع

پرلئے کیا خجل ہوئے دیکھا جو صبح کو
تھا شب کو اُسکی بزم میں خورشید جائے شمع

اُس رشکِ شمع و گل کی ہے کچھ آب و تاب اور
دیکھے ہیں جلوہ ہائے گل و شعلہ ہائے شمع

دیتی ہے اور گرمیِ پروانہ داغِ رشک
شبہائے ہجر میں کوئی کیونکر جلائے شمع

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی
ہے حکم شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع

اس لعل بے بہا سے کہاں تاب ہمسری
روشن ہے سب پہ قیمت گل اور بہائے شمع

خورشید جس کے جلوہ سے ہو شمع صبح دم
کیا ٹھہرے اسکے سامنے سوز و ضیائے شمع

اس تیرہ شب میں جائیں گے کیونکر عدو کے گھر
میرا رقیب وہ ہے جو انکو دکھائے شمع

آتے ہیں وہ جو گور پہ میری تو بہر زیب
کوئی نہ لائے پھول نہ کوئی منگائے شمع

گل پہ لگا کے آپ سے پہنچیں گے بے طلب
آئیگی اپنے پاؤں سے یہاں بن بلائے شمع

ڈر ہے اٹھا نہ دے کہیں وہ بزم عیش سے
کیا تاب ہے کہ شیفتہ آنسو بہائے شمع

59

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ
رہتا ہے ورنہ گھر میں ترے تا سحر چراغ

کیا لطف آہ صبح شب ہجر مہروش
کیا فائدہ جو کیجئے روشن سحر چراغ

پروانہ گر نہ جائے تو بیجا ہے لاف عشق
روشن ہے مہر نالوں سے افلاک پہ چراغ

حربا کرے طریقۂ پروانہ اختیار
اس تاب رخ سے کیجئے روشن اگر چراغ

پروانہ ہو گیا ہے رقیب کتاں کہ ہے
اس مہروش کے جلوے کے آگے قمر چراغ

گستاخیوں کی تاب کسی اس کی بزم میں
بیباکی نسیم سے ہر گز نہ ڈر چراغ

ہر شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار
گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

کرتا ہوں فکر شعر جو میں شب کو شیفتہ
رہتا ہے خواب گہ میں مری رات بھر چراغ

وہاں ہوا پردہ اُٹھانا موقوف
یہاں ہوا راز چھپانا موقوف

غیر کو رشک سے کیا آگ لگی
کہ ہوا میرا جلانا موقوف

ذکر شیریں کی اگر بندی ہے
کوہکن کا بھی فسانا موقوف

اب کس امید پہ وہاں جائے کوئی
کہ ہوا غیر کا آنا موقوف

رم آہو سے وہ رم یاد آیا
دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بلد و باغ آج ہوا وہ گل رو
شیفتہ عطر لگانا موقوف

61

پابندیٔ وحشت میں ہیں نہ زنجیر کے مشتاق
دیوانے ہیں اُس زلف گرہ گیر کے مشتاق

بیرحم نہیں جرم وفا قابلِ بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعذیر کے مشتاق

رہتے تھے ہم جس سے مثالِ ورق و حرف
اب اُنکی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق

لکھتا ہوں جو میں آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے تغافل
مرجائیں گے ظالم دمِ شمشیر کے مشتاق

اے آہ ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر
مدت سے ہیں ہم آہ کی تاثیر کے مشتاق

سیماب تھا دل جلکے سو اب خاک ہوا ہے — لیجائیں مری خاک کو اکسیر کے مشتاق

کیا ہجر کے دن آنے میں ہی عذر نہیں تو — ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق

دل سیر ہوا اس کے ترے نالۂ موزوں
ہے شیفتہ ہم حسن تاثیر کے مشتاق
٦٢

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آکے لب تلک — ہم آرزوے بوسہ یہ پیغام اب تلک

کہتے ہیں بیوفا مجھے میں نے جو یہ کہا — مرتے رہیں گے آپ پہ جیتے ہیں جب تلک

تمکین حسن ہے کہ نہ بیتاب ہو سکا — خلوت میں بھی کوئی قلق بے ادب تلک

آجائے کاش موت ہی تسکین ہو نہ ہو — ہر وقت بیقرار رہے کوئی کب تلک

وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف — دیکھیں کہ ہے دریغ نگاہ غضب تلک

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب — پہنچاؤ یہ پیام اجل جاں طلب تلک

مایوس لطف سے نہ کرے دشمنی شعار — امید ہے اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک

یہاں ہجر نے لیا ہے نہ وہاں ناز دلفریب — شکوہ بجا رہا گلہ بے سبب تلک

ایسی ہی بیقراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک
٦٣

طالع خفتۂ دشمن نہ جگا تا شب وصل — ٦٤ — دیکھ اے مرغ سحر غل نہ مچانا شب وصل

اُن کو منظور نہیں نیند کا آنا شبِ وصل
اس لیے کہتے ہیں غیروں کا فسانا شبِ وصل

صبر پروانے کا مجھ پر نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہرو شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل

خواہشِ کامِ دل اتنی نہ کرائی شوق کہ وہ
ڈھونڈھتے ہیں چلے جانے کو بہانا شبِ وصل

آپ منت سے بلانے سے مجھے کیونکر آؤں
غیر کے گھر میں ہی تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل

شان میں صحبتِ ناکس سے خلل آتا ہے
صبحِ ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا شبِ وصل

تیرگی بختِ سیہ سے مری لیجا کہ ضرور
جلوہ اُس مہر لقا کا ہی چھپانا شبِ وصل

روزِ ہجراں میں اُٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے
شیفتہ اور بھی تم لطف اُٹھانا شبِ وصل

اصحابِ درد کو ہے عجب تیزیٔ خیال
مثلِ زبانِ نطق قلم کی زبانِ حال

عہد وفا کیا ہے نباہیں گے شک عبث
وعدہ کیا ہے آئیں گے بیجا ہے احتمال

کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہے
یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال

ناز و غرور ٹھیک ہے جور و جفا بہت
کس کے ہوا نصیب یہ حسن اور یہ جمال

ساقی پلا وہ بادہ کہ غفلت ہو آگہی
مطرب سنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال حال

ہم لگے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
اے خوردہ گیر نحن رجال و ہم رجال

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہے الگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

ہنگام عہد کام میں لائے وہ اپنے لفظ
جن کو معانی متعدد پر اشتمال

ما و التنہین و انتن فی البیوت
ما و التقلتین و انتن فی الجبال

ق

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوان شیفتہ
ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال

لیکن مبالغہ تو ہی البتہ اس میں کم
ہاں ذکر غدو خال اگر ہے تو خال خال

یہاں کے آنے میں نہیں اُنکو جو تمکین کا خیال
غالباً کچھ تو ہوا ہی میری تسکین کا خیال

کفِ افسوس ملنے سے بھی پڑے ہاتھ میں نقش
بسکہ ہے دل میں مرے دستِ نگارین کا خیال

گو مجھے عاشقِ مفلس وہ کہیں طعنہ سے
تو بھی کیونکر نہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال

تعزیت کو مری وہ آئے تو کیا ذلت ہے
اہلِ ماتم کو نہیں بزم کی تزئین کا خیال

کیوں نہو دست مژہ ماتمیوں کا رنگیں
مرتے دم تھا مجھے اُس پنجۂ رنگیں کا خیال

سخنِ عشق ہی پتھر کی لکیر اے پرویز
دل فرہاد سے کیونکر مٹے شیریں کا خیال

کیا مسلمان ہیں ہم شیفتہ سبحان اللہ
دل سے جاتا نہیں وہ بت بے دین کا خیال

65

بلبل کو بھی نہیں ہے دماغ صدائے گل
بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل

ہنگام عشق جو غیر کو اُس نے سنگھائے گل
جنت میں پہلی مری جاں کو ہوائے گل

ایسا ہی بعد مرگ بھی ہم ہیں وفا رہے
اس واسطے مزار پہ میرے چڑھائے گل

مرتی ہیں گل کے نام ہی پہ بلبلیں کہ اب
پھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے جب بے کھائے گل

کھٹکوں عدو کی آنکھ میں تا بعد مرگ بھی
کانٹے مرے مزار پہ رکھنا بجائے گل

کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر کیا کہوں
روز جزا ابھی سینہ پہ میرے جو پائے گل

جلتی ہے تیرے حسن جہاں سوز سے بہار
نکلیں گے شعلے خاک چمن سے بجائے گل

آخر دو رنگی اس گل رعنا پہ کھل گئی
لوگوں کو دیکھکر جو عدو نے چھپائے گل

عاشق سے پہلے راہ محبت میں جان دی
کیونکر نہ عندلیب کرے جاں فدائے گل

خاموش عندلیب کہ طاقت نہیں رہی
ہیں چاک کرتے کان کے مثل قبائے گل

شاید دکھلانے لائیگا اسکو کہ غیر نے
بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل

جس گل میں ہے ادا وہ چمن میں بھلا کہاں
اے بلبلو تمہیں کو مبارک ادائے گل

میرا انھیں کو غم ہے کہ بلبل کی آہ پر
کرتا ہے کون چاک گریباں سوائے گل

جنت میں پہنچیں بلبلیں پروانے جل گئے
اب کون شمع گور پر اور کون لائے گل

اک گل کا شوق تھا سبب اپنی وفات کا
پھولوں کے دن مرے رفقا نے منگائے گل

لکھی یہ ہم نے وہ غزل تازہ شیفتہ
ہر شعر جس میں داغ دہ دستہ ہائے گل

۶۶

کہ ہم سے خفا وہ ہیں گئے ان سے خفا ہم
۱۵
مدت سے اسی طرح بنی جاتی ہے باہم

کرتے ہیں غلط یار سے اظہار وفا ہم
ثابت جو ہوا عشق کجا یار کجا ہم

کچھ نشہ ہی سے نہیں کم نشۂ نخوت
تقوے میں بھی صہبا کا اُٹھاتے ہیں مزا ہم

موجود ہے جو لاؤ جو مطلوب ہو وہ لو
مشتاق وفا تم ہو طلبگار جفا ہم

نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق
وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم

کیا کرتے ہیں کیا سنتے ہیں کیا دیکھتے ہیں ہائے
اُس شوخ کے جب کھولتے ہیں بند قبا ہم

یہ طرز ترنم کہیں زنہار نہ ڈھونڈھو
اے شیفتہ یا مرغ چمن کہتے ہیں یا ہم

مر گئے ہیں جو ہجر یار میں ہم
سخت بیتاب ہیں مزار میں ہم

تا دل کینہ ور میں پائیں جگہ
خاک ہو کر ملے غبار میں ہم

آمد آمد میں اسقدر شورش
دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم

وہ تو سو بار اختیار میں آئے
پر نہیں اپنے اختیار میں ہم

کب ہوئے خار راہ غیر بھلا
کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم

کوئے دشمن میں ہو گئے پامال
آمد و رفت بار بار میں ہم

نعش پر تو خدا کے واسطے آ
مر گئے تیرے انتظار میں ہم

گر نہیں شیفتہ خیال فراق

کیوں تڑپتے ہیں وصل یار میں ہم

مطبوع یار کو ہی جفا اور جفا کو ہم
کہتی ہی بد عدو کو وفا اور وفا کو ہم

دشنام بھی سُنے نہ تمھاری زبان سے
ہی کوستی اثر کو دعا اور دعا کو ہم

افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا
نامہ کو ڈھونڈھتی ہی صبا اور صبا کو ہم

لاتا ہی ظن نیم تبسم سے جوش میں
دل کو قلق قلق کو بکا اور بکا کو ہم

درماں مریض غم کا نرے کچھ نہ ہو سکا
چھیڑے ہی چارہ گر کو دوا اور دوا کو ہم

پھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
پھر اُس کو دو کہتی ہیے حیا اور حیا کو ہم

ہیں جاں بلب کسی کے اشارے کی دیر ہی
دیکھے ہی اُس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

ہی آرزوے شربت مرگ اب تو شیفتہ
لگتی ہی زہر ہمکو شفا اور شفا کو ہم

بچتے ہیں اسقدر جو اُدہر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دل شورش ادا سے ہم

افشائے راز عشق میں ضرب المثل ہے وہ
کیونکر غبار دل میں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں میکدہ کو کہاں یہ عزیز وہاں
رخصت تو ہو لیں کبر و نفاق و ریا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو اب تو مت اُٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم

ہی جامہ پارہ پارہ دل و سینہ چاک چاک
دیوانہ ہو گئے گل جیب قبا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قدم آئیگا
شام شب فراق نہ مرتے بلا سے ہم

ہر بات پر نگاہ ہماری ہی اصل پر
لیتے ہیں مشک خم کو زلف دوتا سے ہم

بیگانہ جب سے یار ہوا ہی رقیب سے
امید قطع کر چکے ہر آشنا سے ہم

بلبل یہ کہہ رہی ہی سر شاخسار پر
پابست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہل بزم
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم

ہاں شیفتہ پھر ایسی نصیحت ہی کیوں سنو
سنتے ہیں حرف تلخ کو سمع رضا سے ہم

70

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم

شاہد رقیب ڈوب مریں بحر شرم میں
ڈوبیں گے موج اشک کی طغیانیوں میں ہم

محتاج فیض نامیہ کیوں ہوتے اسقدر
کرتے جو سوچ کچھ جگر افشانیوں میں ہم

پہنچائی ہم نے مشق یہاں تک کہ ہو گئے
استاد عندلیب نوا خوانیوں میں ہم

غیروں کے ساتھ آپ بھی اٹھتے ہیں غم سے
لو میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم

جن جن کے تو مزار سے گذرا وہ جی اٹھے
باقی رہے ہیں ایک سے فانیوں میں ہم

گستاخیوں سے غیر کی انکو ملال ہے
مشہور ہوتے کاش ادب دانیوں میں ہم

دیکھا جو زلف یار کو تسکین ہو گئی
بیکس تھے چند مضطرب بیٹھے پریشانیوں میں ہم

آنکھوں سے یوں اشارہ دشمن نہ دیکھئے
جو جان کھو کے پائیں تو فوز عظیم ہے

ہوتے نہ اسقدر جو نگہبانیوں میں ہم
وہ چیز ڈھونڈھتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کیوں نہ اڑجائے مرا خواب ترے کوچے میں
فرش ہے مخمل و کمخواب ترے کوچے میں

دولت حسن یہاں تک تو لٹا دی ظالم
اشک ہے گوہر نایاب ترے کوچے میں

جوشش گریہ عشاق سے اکدم میں ہوا
شجر سوختہ شاداب ترے کوچے میں

ہوش کا پاؤں عجب یہاں آکے پھسل جاتا ہے
کیا لنڈھائی ہے مئے ناب ترے کوچے میں

ہے کف پائے عدو پا سے تری رنگیں تر
بسکہ ہم روتے ہیں خوں ناب ترے کوچے میں

گوشہ گیری سے بھی گردش نہ گئی طالع کی
پھرتے ہیں صورت دولاب ترے کوچے میں

غیر نے سنگ جو پھینکے وہ ہوے بالش سر
چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں

وہ بھی محروم نہیں جن کو نہیں بزم میں بار
تیرے رخسار کی ہے تاب ترے کوچے میں

چل دیا شیفتہ سو دیں خدا جانے کہاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

کچھ درد ہی مضطریوں کی سے لئے ہیں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے سینے میں

کچھ زہر اُگل رہی ہے بلبل — کچھ زہر ملا ہوا ہے مے میں

بدمست جہان ہو رہا ہے — ہے یار کی بو ہر ایک شے میں

ہیں ایک ہی گل کی سب بہاریں — فرو دیں میں اور فصل دے میں

ہے مستیٔ چشم خام کا ڈر — اصرار ہے جام پے بہ پے میں

میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں — بزم جم و بارگاہ کے میں

اب تک زندہ ہی نام وہاں کا — گذرا ہے حسین ایک سخے میں

ہوتی نہیں طے حکایت طے — گذرا ہے کریم ایک طے میں

کچھ شیفتہ یہ غزل ہے آفت
کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں

ہ دشمنوں ہوتے ہیں دوچار ترے کوچے میں — ایک ہنگامہ ہے اے یار ترے کوچے میں

فرش رہ ہیں دل افگار ترے کوچے میں — خاک ہو رہوں گلزار ترے کوچے میں

سر فروش آتے ہیں بے بار ترے کوچے میں — گرم ہے موت کا بازار ترے کوچے میں

شعر بس اب نہ کہونگا کہ کوئی پڑھتا تھا — اپنے حالی مرے اشعار ترے کوچے میں

نہ ملا ہم کو کبھی تیری گلی میں آرام — نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں

ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا — لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں

تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ہوس
ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں

ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل
خلد میں روح تن آزار ترے کوچے میں

کیا تجاہل سے یہ کہتا ہی کہاں رہتے ہو
ہیں ترے کوچے میں ستمگار ترے کوچے میں

شیفتہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے
روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں
تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں

گلشن میں چلکے بند قبا تیرے وا کروں
جی چاہتا ہی جامۂ گل کو قبا کروں

آتا ہوں پیر دیر کی خدمت سے مست میں
ہاں زاہدو تمھارے لیے کیا دعا کروں

جوشِ فغاں وداع کہ منظور ہے اُنھیں
دل نذر کاوشِ نگۂ سرمہ سا کروں

نفرین بیٹھا رہے اس عمر و سہو پہ
گر ایک میں صواب کروں سو خطا کروں

مطرب بدیع نغمۂ و ساقی پری جمال
کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں

تم دلربا ہو دلکو اگر لے گئے تو کیا
جب کاہ ہو گئے میں اثر کہربا کروں

اے چارہ ساز لطف کہ تو چارہ گر نہیں
بس اے طبیب رحم کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئی ناب معرفت
اصلِ سرورِ دام خباثت کو کیا کروں

یا اپنے جوشِ عشوۂ پیہم کو تھامیے
یا کعبے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارہ آوانہ پا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزامیر شیفتہ
ورنہ کبھی سماع مجرّد سنا کروں
75

مانا سحر کو یار اُسے یہاں جلوہ گر کریں
طاقت ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں

تزئین میری گور کی لازم ہی خوب سی
تقریبِ سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

اب ایک اشک ہی دُرِ نایاب وہ کہاں
تارِ نظر جو گریہ سے سلکِ گُہر کریں

وہ دوست ہیں اُنھیں پہ اثر ہو گیا تو کیا
نالے ہیں وہ جو غیر کے دل میں اثر کریں

آئے تو اُنکو رنج نہ آئے تو مجھکو رنج
مرنے کی میری کاش نہ اُنکو خبر کریں

ہی جی میں سونگھیں نکہتِ گل جاکے باغ میں
بس کب تلک التجائے نسیمِ سحر کریں

اب کی ارادہ ملکِ عدم کا ہی شیفتہ
گھبر گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں
76

شبِ وصل کی بھی چین سے کیونکر بسر کریں
جب یوں نگاہ بانیٔ مرغِ سحر کریں

محفل میں اک نگاہ اگر وہ اِدھر کریں
سو سو اشارے غیر سے پھر رات بھر کریں

طوفانِ نوح لانے سے ای چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

آز و ہوس سے خلق ہوا ہی یہ نامراد
دل پر نگاہ کیا ہے وہ مجھ پر نظر کریں

کچھ انکی ہم سے بولنے تو پوچھی ہیں ہے کہ پھر — ناصح کو بھی رقیب سے آزردہ تر کریں

واں ہے وہ نغمہ جس سے کہ حوروں کے ہوش جائیں — یہاں ہے وہ نالہ جس سے فرشتے حذر کریں

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں
77

کب ہاتھ کو خیالِ جزائے رفو نہیں — کب پارہ پارہ پیرہنِ چارہ جو نہیں

گلگشتِ باغ کس چمن آرانے کی کہ آج — موجِ بہار مدعی رنگ و بو نہیں

واں بار ہو گیا ہے نزاکت سے ناز بھی — یہاں ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں

کس سے شنا ہو یا دلِ حیرت زدہ کا حال — یہ کیا ہوا کہ آئینہ اب روبرو نہیں

تغیرِ رنگ کہتی ہے وصلِ عدو کا حال — یعنی نقاب رخ پہ کبھو ہے کبھو نہیں

گستاخ شکوہ کیا ہوں کہ اندازِ عرض پہ — کہتے ہیں اختلاط کی بندے کی خو نہیں

کیا جانے عدو زخم کو گو ہو شہیدِ ناز — جو نیم کشتہ خنجرِ رشکِ عدو نہیں

ابر رشک و گلشن داغ و نسیم آہ — سامانِ عیش سب ہے پہ افسوس تو نہیں

بدخوئیوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ
ہر ایک کو جو حوصلۂ آرزو نہیں
78

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں — اے دل یقین جان کہ ہم ہیں تو تو نہیں

بے اشکِ لالہ گوں بھی میں بے آبرو نہیں	آنسو میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں
پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں	عطرِ سہاگ ملتے ہو وہ جس میں بو نہیں
یہ کیا کہا کہ بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم	اے ہمنشیں مگر وہ مرے روبرو نہیں
بے طاقتی نے کام سے یہ کھو دیا کہ بس	دل گم ہوا ہی اور سرِ جستجو نہیں
محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو	لڑتی ہیں کیوں اگر سرِ صلحِ عدو نہیں
کیا جوشِ انتظار میں ہر سمت دوڑ ہے	بدنامیوں سے ہائے گذر ایکسو نہیں
دی کس نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مژہ کو آب	شورِ فغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہیں
یہ پیچ و تاب میں شبِ غم نے حواسیاں	اے دل خیالِ طرۂ تابیدہ مو نہیں
دستِ جنوں نے جامۂ ہستی قبا کیا	اب ہائے چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں
شکرِ ستم بھی راس نہ آیا ہمیں کہ اب	کہتے ہیں وہ کہ لائقِ الطاف تو نہیں
ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو	کیا آپ کا نشانِ قدم کو بکو نہیں
نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی	امیدِ زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اُس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں
79

ہم سے آزادہ وش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں	کیا قیامت ہی کہ اب سرو ثمر رکھتے ہیں

تنگ ہیں وصل کی شب کی قفسِ چرخ سے ہم
فکرِ آزادیِ مرغانِ سحر رکھتے ہیں

نہ مذمت کا تحمل نہ ثنا کی خواہش
عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ نہ ہنر رکھتے ہیں

دل ترا سنگ ہی پر آگ کہاں ہی اس میں
دل ہمارا ہی کہ شیشہ میں شرر رکھتے ہیں

آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھٹے
بذلہ و ہزل ترے دل میں اثر رکھتے ہیں

نہ ہمارا کوئی دشمن نہ ہمارا کوئی دوست
وہ نظر اور ہی جو اہلِ نظر رکھتے ہیں

بیخودی ہمکو ہی اور اُنکو خود آرائی ہی
نہ ہماری وہ نہ ہم اُنکی خبر رکھتے ہیں

شیفتہ ہم سے ہو جس شخص کو ملنا ہو لے
صبح اس شہر سے ہم عزمِ سفر رکھتے ہیں

گرمجوشی ہی مگر فرق شرارت میں نہیں
چھیڑ کس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں

رات ساقی نے کہا جس کے یہ سب جلوے ہیں
وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں

ہمکو مقصد سے زیادہ ہی ادب میں کوشش
ورنہ کچھ عذر سوا اسم سے عبارت میں نہیں

رند فارغ بھی ہوئے جامِ سحر گاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگ طہارت میں نہیں

فرحتِ نفس جو وہ ہی تو یہ ہی راحتِ روح
کیا بزرگی میں مزا ہی جو حقارت میں نہیں

اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات مگر
غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جامِ مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امر عظیم
یہ تو ادنا فعل بھی واں ناز و شرارت میں نہیں

دل کے بدلے میں طلبگار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحاب تجارت میں نہیں

نہ سجدہ رہنما ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں
نرا فریب سے نقشِ قدم مٹاتے ہیں

چراغِ وقفِ محبت نے کر دیا افسوس
کہ مجھکو اپنے پرائے سبھی جلاتے ہیں

جہاں سے نقشِ صحبت یہی رہا چندے
تو دیکھ لوگے کہ ہم نقش کیا بٹھاتے ہیں

ہیں اس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ چاپ
کہاں ہے غش فقط عطر کیوں سنگھاتے ہیں

شبِ وصال میں تا کیفیت اٹھا نہ سکوں
وہ مجھکو ساغرِ مے متصل پلاتے ہیں

تمہاری بات میں کیا آ گیا ہے شیفتہ فرق
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

عذر اک ہاتھ لگا ہے انہیں یہاں آنے میں
کیوں کہا میں نے کہ چلیے مرے غمخانے میں

سیرِ وحشت کو جو اک خلق چلی آتی ہے
شہر آباد ہوا ہے مرے ویرانے میں

ہم بھی محروم سہی غیر تو ہونگے محروم
لطف آ جائے کہیں یار کو ترسانے میں

یہ تو سچ ہے کہ کجا محتسب و بادہ کشی
پھر یہاں جوش یہ کیوں آتے ہیں میخانے میں

لے لیا پنجۂ گلگوں میں جو اپنے تو نے
ہم سے جاتا ہے چھٹے لعل ترے شانے میں

سچ کہا غیر کو گھر نیند نہ آئی ہوگی
شگفتہ سن کے وہ دیتے ہیں جو لاکھوں دشنام

غرش ہی محمل کا نشاں برق کا شانے میں
اثر بادہ ہی گویا مرے افسانے میں

ہو ستم کے رشک کا انکے گماں میں امتحاں
آرزوئے مرگ بھی روزِ جدائی مرگئے
چھیڑ تو دیکھو کہ بعد از قتل مجھ سے یہ کہا
دیکھنا آئینہ دیکھیں ہم ہنسیں گے یا نہیں

غیر کا کرتے ہیں میرے امتحاں میں امتحاں
کرلیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں
آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گماں میں امتحاں
اپنے غم کا لیں گے سیرِ زعفراں میں امتحاں

ان کے کوچے میں تمھیں لیجاؤں کیونکہ شگفتہ
کرچکا ہوں تمکو سیرِ گلستاں میں امتحاں

تنگ تھی جا خاطرِ ناشاد میں
کیونکر اٹھنا ہی خدا یہ کنجِ قفس
وہ جو ہیں تاریخ سے واقف بتائیں
یہاں امیدِ قتل ہی نے خوں کیا
نلے تعلق پن بھی آخر قید ہے
غمزۂ شیریں ہی کی دولت سے تھا
کیوں خبر لو پوچھی ترا بیمار ہائے

آپ کو بھولے ہم ان کی یاد میں
مرگئے ہم تو کفِ صیاد میں
فرق بادِ آہ و بادِ عاد میں
رہ گئی حسرت دلِ جلاد میں
قید پائی خاطرِ آزاد میں
جو اثر تھا تیشۂ فرہاد میں
مرگیا شورِ مبارکباد میں

بے تکلف جی میں جو آئے کرو
کیا دھرا ہے نالۂ و فریاد میں

دھیان تجھکو ہو نہ ہو پر شیفتہ
رات دن رہتا ہی تیری یاد میں

ہی امتزاج مشک مئے لعل فام میں
آتی ہے بوئے عنبر ہمارے مشام میں

پہنچے کہاں تصرفِ ساقی سے اہلِ بزم
پہنچے نہیں شراب صراحی سے جام میں

تا ذوق آئے بات ہیں فرمائشیں وہ کیں
تعجیل جن کی ہو نہ سکے انصرام میں

اب کچھ ہمیں غنا سے تعلق نہیں رہا
جوش و تپش کو بار نہیں اس مقام میں

اس لطف سے کہاں ہی نسیم چمن میں بو
جو لطف بھر رہا ہی تمہارے پیام میں

ہی شرط عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم
کیسا ہی دل پھنسا ہو امورِ عظام میں

آئی جو آج کام میں صہبائے تند و تلخ
ساقی نے خوب راز کہے بارِ عام میں

آہو کی بخت آئے جو تیرے کمند میں
بلبل کی قسمت آئی اگر تیرے دام میں

تم کو نہیں جو عجب تعجب ہی شیفتہ
ہی ہی زمانا یہ سرشتِ کرام میں

اللہ آہ دلِ زار کی افواہیں ہیں
یعنی مجھ پر کرمِ یار کی افواہیں ہیں

شرم اسے نالۂ دل خانۂ اغیار میں بھی
جوشِ افغاں عزا بار کی افواہیں ہیں

کب کیا دل میں مرے پند و نصیحت نے اثر
ناصح بیہودہ گفتار کی افواہیں ہیں

جنس دل کی وہ خریدار ہوئے تھے کس دن
یہ یونہیں کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں

قیس و فرہاد کا منہ تجھ سے مقابل ہونگے
مردم وادی و کہسار کی افواہیں ہیں

یہ بھی کچھ بات ہی میں اور کروں غیر سے بات
تم نہ مانو کہ یہ اغیار کی افواہیں ہیں

کس توقع پہ ہیں شیفتہ مایوس کرم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہیں ہیں

خوشرو و بدخو ہیں کیا میں چاہوں
بیگانوں سے کیونکر آشنا ہوں

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
لے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں بن ملے نباہوں
بیگانہ آشنا نما ہوں

لیلیٰ کہے سے بگڑ گئی تھی
دیوانہ میں جانکر بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بیوفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منت کش سایۂ ہما ہوں

بیگانہ وشی ستم ہے اُن کی
غیروں کو بھی یار جانتا ہوں

اُس غیرت گل سے ربط معلوم
ہر چند میں ہمدم صبا ہوں

ہمدم نہ سہی محبت اُس کو
اس بات پہ کیا اُسے نہ چاہوں

دی غیر کو اُس نے کب عرق چیں
میں شرم سے آب کیوں ہوا ہوں

دیکھا نہیں مجھکو سُنتے ہیں وہ
کیا پائے رقیب کی صدا ہوں

مکشوف ہوا فروغِ مے سے
ذرّہ ہیں کس آفتاب کا ہوں

میں شیفتہ ہوں عزیز دلہا
شیریں گفتار خوش نوا ہوں

عہدِ ثبات عہد پہ ہے متصل نہیں
ای شیفتہ نوید وہ پیماں گسل نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہار عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

ستنا چھیڑا ہے رقیب کہ مانند زلفِ یار
سرتاپا شکستہ ہوں پر مضمحل نہیں

دل سختیاں سہے یہ کہاں نازکیٔ تن
دلّی کے سنگدل تو بتانِ چگل نہیں

کیا رو ہے کہ تذکرۂ سوز رشک سے
وہ گل عرق عرق تو ہے لیکن خجل نہیں

پتھر وہ اور ہے جسے مشکل ہے ٹالنا
فرہاد بے ستون تو سینہ کی سِل نہیں

جو حال پوچھنا ہو تم اُس سے ہی پوچھ لو
مجھکو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں

بیمار نے کری ہیا کسے کہاں جی کو ہائے ہائے
صحرائے قیس گھر کے مرے متصل نہیں

لگ جاؤ اینو آؤ گلے سب چلے گئے
اک شیفتہ رہا ہی سو وہ کچھ مخل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم تمکو غم نہیں
اپنے بھی مرگ مرگ تمنا سے کم نہیں

قاصد کے ساتھ بے ادبی ہوگی لا کلام
جز شکوہ اور کچھ مرے خط میں رقم نہیں

ہر شغل میں اہم ہے نگہبانی نفس
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

ہرگز نہ چہچہائے چمن زار عشق میں
جو مرغ آتشیں نفس شعلہ دم نہیں

سو بار امتحان وفا کر چکے پر آہ
اب تک بھی دوستی تمھیں دشمن سے کم نہیں

حیرت فروغ آئینۂ دل ہے وصل میں
بے وجہ ہی عتاب کہ آنکھوں میں نم نہیں

افسون پیر دیر کی تاثیر ہائے ہائے
وہم و خیال میں بھی شراب و صنم نہیں

آنکھوں کو نے ہوس کہ رخ سادہ دیکھئے
سر میں ہوائے طرۂ پر پیچ و خم نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

۸۹

مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں
کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں

جلے کیا کیا نہ عرضِ سوزشِ داغِ نہانی میں
عجب آرام تھا اے شمع ہمکو بے زبانی میں

عدو سے بات کی جب جی نہ آیا بیدہانی میں
غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطافِ زبانی میں

یہ احسانِ اجل ہے شمع و گل جو گور پر لائے
یہ اس کا کام ہے جو داغ رکھے زندگانی میں

کرم ہے مصلحت ظالم کہ شادی مرگ ہو جاؤں
ستم ہے فائدہ جب کام نکلے مہربانی میں

قلق سے نالہ موزوں نکل گئے تو کہتے ہیں
تمھیں کیا غم گذرتی ہے تمھاری شعر خوانی میں

عدو بھی شاملِ لذت ہیں اس سے کاش سِتم ہوتے
مزا آتا نہیں مجھکو تری شیریں زبانی میں

عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل ہے
سزا ہے یہ ہمیں دعویٰ بہت تھا رمزدانی میں

سبک تم نے ہو ہوس اے شیفتہ ایسی ہی باتوں سے
کہ تم سر پاؤں پر رکھتے ہو وہ ہے سرگرانی میں

کب نگہ اس کی عشوہ بار نہیں
کب نگاہیں کرشمہ زار نہیں

غیر پر رحم یہ کیسے آیا
تم تو مانا ستم شعار نہیں

یہاں فغاں سے لہو ٹپکتا ہے
میں نواسنج شاخسار نہیں

کلفتِ دل سے ہے جو آلودہ
گوہرِ اشک آبدار نہیں

ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
محفلِ پادشا سے عار نہیں

نہ جلا خانۂ عدو تو نہ ہیں
شعلۂ آہ ہے شرار نہیں

باغ بے صرفہ چلکے کیا کیجیے
جن سے تھی باغ کی بہار نہیں

بادہ بیہودہ پی کے کیا کیجیے
اب وہ ساقی نہیں وہ یار نہیں

اے منجم عبث یہ نادانی
تو کچھ اندازہ دان کار نہیں

تو روش یاب مہر و ماہ غلط
تو ادا سنج روزگار نہیں

واقفِ اسرارِ آسمانی سے
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

چڑھ گئے ہیں کسی کے پھر دم پہ
شیفتہ آج بے قرار نہیں

کون سے دن تری یاد اے بتِ سفاک نہیں
کونسی شب ہے کہ خنجر جگرِ چاک نہیں

لطفِ قاتل میں تامل نہیں پر کیا کیجے
سرِ شوریدہ میرا قابلِ فتراک نہیں

تجھ پہ اے دلبرِ عالم جو ہر اک مرتا ہے
اس لیے مرنے سے میرے کوئی غمناک نہیں

دل ہوا پاک تو پھر کون نظر کرتا ہے
اور دل پاک نہیں ہے تو نظر پاک نہیں

علم اور جہل میں کچھ فرق نہ ہو کیا معنے
ہم بھی بیباک ہیں پر غیر سے بیباک نہیں

قیس کو فضلِ تقدم ہے وگرنہ یہاں کیا
سرِ شوریدہ نہیں یا جگرِ چاک نہیں

ماسوی اللہ نہ رہے شیفتہ ہرگز دل میں
خسروی کاخِ سرائے خس و خاشاک نہیں

کون ہے شہر میں جو کام ہوس یاب نہیں
کس جگہ زلف کی بو رخ کی تری تاب نہیں

مجھ پر اس جلوے سے جو کچھ کہ گزرتی ہے نہ پوچھ
اس قدر شعلہ کبھی آفتِ سیماب نہیں

برق و باراں کے تلاطم کا کہاں تک مذکور
رخ پر نور نہیں دیدۂ پر آب نہیں

وضع کا حفظ ہے تو عشرتِ صحبت معلوم
بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں

اہل تحقیق کے نزدیک رخِ زیبا کو ۔ پردۂ شرم سے بہتر کوئی جلباب نہیں

سیرِ مہتاب کا وہاں عزم ہوا کیا موقوف ۔ شبِ مہتاب میں لطفِ شبِ مہتاب نہیں

فیضِ حق عام ہے افسردہ دلِ زار نہ ہو ۔ دشت کیا جلوہ گہِ لالۂ شاداب نہیں

خواب میں بھی وہ نظر آئے ہیں غیر کے ساتھ ۔ تلخ عیشوں کو میسر شکرِ خواب نہیں

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رہزن کا ۔ کیا وہ دریا کہ جہاں پیچشِ گرداب نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ شادی بھی ہوئے ۔ باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

ناز و تمکیں ہے وہاں صبر کی یہاں تاب نہیں ۔ یہی صورت ہے تو کچھ بننے کے اسباب نہیں

طرفہ نیرنگ محبت میں نظر آتے ہیں ۔ برق آنکھوں سے ٹپکتی ہے پہ خوناب نہیں

ہائے وہ شوقِ ملاقاتِ عدو میں جاگے ۔ جس کے آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں

منع کیوں عشقِ مجازی سے ہمیں کرتے ہو ۔ زاہد و دہر مگر عالمِ اسباب نہیں

جان کی شکل دکھائی ہے بنا کر تجھ کو ۔ دل کی تصویر بنائی ہے یہ سیماب نہیں

بحر و بر میں کہیں آرام نہیں خاطر خواہ ۔ بحر میں خار نہیں دشت میں گرداب نہیں

کہیئے اعدا کی بھی کچھ دلشکنی ہے منظور ۔ یہ تو مانا کہ تمہیں خاطرِ احباب نہیں

کلفت آلودہ نظر پڑتی ہے مشتاقوں پہ ۔ صندلی بزم میں بھی صرف مئے ناب نہیں

کل یوم ہو فی شان کی ہی جلوہ گری
اور وجہ شبِ تار و شبِ مہتاب نہیں

شکوہ آئینِ محبت میں ہی ایجاد لطیف
نسخۂ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہی نایاب پسند
جنس یہاں دل ہی سو نادر نہیں نایاب نہیں

شیفتہ عشق کی یہ دھوم اور اتنک حضرت
دلِ بیتاب نہیں دیدۂ بیخواب نہیں

۹۶

جی جائے پر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
قدرِ وفا نہیں ہی اگر امتحاں نہیں

ہم بھی دکھاتے غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہی کہ تم بدگماں نہیں

جو دیکھنا ہو دیکھ لیں اختر شناس جلد
نالے اگر یہی ہیں تو پھر آسماں نہیں

اسرار عشق بھی جو حریف نے کہہ دیئے
پھر اب کوئی یہاں ہیں راز نہاں نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے وہیں کا خیال ہے
جز شاخ سدرہ ہمکو سرِ آشیاں نہیں

واں شوقِ داستاں ہی یہاں داستانِ شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خواں نہیں

حرفِ درشت غیر سبک وضع بھی سہی
ہیں وہ ہوں جن پہ بارِ امانت گراں نہیں

رنگین تھی بے گناہوں کے خوں سے سوادِ شہر
حال آنکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

حکمت ہی ہوگی برق جو دے ہمکو جائے دل
نے مصلحت صلاح و فسادِ جہاں نہیں

کیوں عار بزمِ شاہ سے کرتے ہیں اہلِ فقر
کچھ فرش بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں

چلیے چمن کو بجم سحر جلوہ گر ہوا
پروین نہیں نبات نہیں کہکشاں نہیں

کیونکر سنیں وہ شہرت اگر کو بکو ہوا
افسوس کم شکیب مرا رازداں نہیں

آئینہ جلوہ گاہ پری ہے نہ دیکھنا
نظارۂ پری کی بشر کو تواں نہیں

ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ واں
فخر فضیلت و شرف دودماں نہیں

مشہور روزگار ہی محسود روزگار
نے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں

کہہ ہی فریب غمزۂ جادو اثر بھی
دلداری ایک شہر کی مشکل دہاں نہیں

کچھ ہم پہ آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
کس کس کے دل پذیر وہ رعنا جواں نہیں

دل کا گلہ فلک کی شکایت یہاں نہیں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے راز عشق
حالانکہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں

زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
کچھ ورنہ ناز جاں کے بدلے گراں نہیں

ہم زمرۂ رقیب میں مل کر وہاں گئے
جب شوق رہنما ہو کوئی پاسباں نہیں

آشفتہ مثل باد ہوں بیتاب مثل برق
کیونکر سہیں چرخ تری شوخیاں نہیں

ہم آپ پہ نثار کریں کائنات کو
پر کیا کریں بساط میں جز نیم جاں نہیں

سامان وجد فتنۂ محشر کو دے دیا
وہ خاک پر ہماری جو دامن فشاں نہیں

کیوں ہیں ندیم دوست سفارش میں غیر کی — کیا ہمکو اُن سے رسم و رہِ ارمغاں نہیں

اک حال خوش میں بھول گئے کائنات کو — اب ہم وہاں ہیں مطرب و ساقی جہاں نہیں

کس کس پہ رشک کیجیے کس کس کو روییے — کس دن وہ جلوہ آفتِ صد خانماں نہیں

کیوں یہ ہجومِ شور و شغب ہی نشور میں — ایسا تو شیفتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

آرام سے ہی کون جہانِ خراب میں — گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اُنہیں محو اور وہ سب سے علاحدہ — آئینہ میں ہی آپ نہ آئینہ آب میں

معنی کی فکر چاہیے صورت سے کیا حصول — کیا فائدہ ہی موج اگر ہی سراب میں

نے بادِ نوبہار ہی اب نے شمیم گل — ہمکو بہت ثبات رہا اضطراب میں

حیرت ہی کیا نقاب ہیں گر رنگ رنگ کی — نیرنگ جلوہ سے ہی تنوّع نقاب میں

فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے — یانہی میں حصہ صرف ہی شبنہ شراب میں

ذات و صفات میں بھی یہی ربط سمجھیے — جو آفتاب روشنی آفتاب میں

قطع نظر جو نقش و نگارِ جہاں سے ہو — دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

طوبیٰ لہم جو کشتۂ عشقِ عفیف ہیں — کیا شبہ اُس گروہ کے حسنِ مآب میں

مرنے کے بعد ہی کہیں شاید پتا لگے — کھویا ہی ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں

پھر ہی ہوا اے مطربِ دہلی ہمکو شیفتہ
مدت گذر گئی ورع و اجتناب میں
۹۷

شوخی نے تیرے لطف نہ رکھا حجاب میں — جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں
آ نغمہ گر ہو چرخ میں لا آسمان کو — آ رقص کر زمین کو ڈال اضطراب میں
سو مہر کا فروغ ہی وہاں جلوہ گاہ میں — سو باغ کی شمیم ہی وہاں رخت خواب میں
وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گم ہوا — وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں
سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی — رہزن کو یہ خیال کہ رہرو ہو خواب میں
اُس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں — کیا ڈھونڈتے ہو بربط و عود و رباب میں
ای وائے روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال — جو کچھ کیا ہی ہم نے شبِ ماہتاب میں
آتا ہی کون کون کہ آتے ہیں اب نظر — دربانِ انفعال میں حاجب حجاب میں
شرمِ گنہ نہ بیمِ عقوبت یہ رنج ہے — ہی ہی اُٹھائی اُس نے اذیت عتاب میں
پوچھی تھی ہم نے وجہ ملاقات مدعی — اک عمر ہو گئی اُنھیں فکرِ جواب میں

لڑ نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہمکو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں
۹۸

ناچار میں خموش وہ ناحق عتاب میں — طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں

بس کیئے قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو
ایسا نہ ہو کہیں پڑے جھگڑا حساب میں

بیباک کسقدر ہے کہ ڈوبا ہوا ہی سب
دامن لہو میں اور گریباں شراب میں

شاید کہ پڑ گئی ہے کسی شیخ کی نظر
ہم نے دھڑک جو کرتے ہیں توبہ شباب میں

آخر جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے
اچھا نہ آئیں آپ شبِ ماہتاب میں

ای آفتِ زمانہ ترے دور میں شکیب
بلبل کو باغ میں ہی نہ ماہی کو آب میں

ہوتا ہی اژدہامِ تمنا اُسی قدر
ہوتی ہی جتنی دیر کشادِ نقاب میں

جور و ستم عیاں ہی وفا و کرم نہاں
لڑتے ہیں جاگتے میں مناتے ہیں خواب میں

بیباک شیوہ شوخ طبیعت زباں دراز
ملزم ہوا ہی پر نہیں عاجز جواب میں

اُس نے دمِ وداع کیئے عہدِ التفات
افسوس میں نے کچھ نہ سنا اضطراب میں

تکلیف شیفتہ ہوئی تمکو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں
۹۹

گر کچھ قلق نہ آئے تمہارے فراغ میں
حسرت کا ہی ہجوم دلِ داغ داغ میں

مشاطہ باغباں کی طرح بیقرار ہے
میں اُن کے پاس کیا ہوں کہ گلچیں ہے باغ میں

پہلے نہ تھا جہاں میں دلِ داغدار کیا
مشہور اسقدر جو ہوا لالہ داغ میں

جورِ ادیب و شوق حبیب و غمِ نشور
اپنا کوئی زمانہ نہ گذرا فراغ میں

صہبائے لالہ فام کہاں اور ہم کہاں
خونابۂ جگر ہی ہمارے ایاغ میں

معلوم ہے کہ ایلچیوں کو زیاں نہیں
قاصد نہ پہنچا ہو ہرگز بلاغ میں

فانوس شیشہ و لگن زر سے کیا حصول
وہ ہے وہاں جہاں نہیں روغن چراغ میں

نہ طاقت شکیب نہ اندازۂ ستیز
بیجا ہے اہتمام تلاش سراغ میں

اس نو بہار حسن کو بدنام مت کرو
ہے شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

پانی ہیں بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پہ ہوئی ہے تجلی چراغ میں

اس کا پتہ ملے تو ہمارا پتہ ملے
کھویا ہے ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں

شکوہ نہ شہ ہوا سے ہے نے عیش و ہاں کہاں
عشرت فقط نصیب ہے کنج فراغ میں

عارف نہیں وہ حفظ مراتب جسے نہ ہو
جو جلوہ باغ میں ہے کہاں ہے وہ راغ میں

ہر چند ایک نور سے روشن ہے مہر و مہ
جو نور مہر میں ہے کہاں وہ چراغ میں

ایک قطرہ جس کا مست کرے کائنات کو
اے بے خبر وہ مے ہے ہمارے ایاغ میں

بلبل نے گل کبھی نہیں دیکھا جو دیکھ لے
زنہار پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں

سو بار آن لگاؤ پڑا ہو حسن دوست پر
سامان صد بہار ہے ایک ایک داغ میں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ
١

معشوقہ ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں

عید ہے اور ہمکو عید نہیں
اگر آجایئے بعید نہیں

لاش تیری رسید تھی خط کی
خط کی یہ نامہ بر رسید نہیں

قیس کو جو کہے خفیف العقل
رائے اُس شخص کی سدید نہیں

گریہ ہی ہے ہجوم ابرِ سیاہ
گر کوئی مے پیئے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں اندنوں مقبول
لیکن اغیار بھی طرید نہیں

آج بھی منع بادہ اے زاہد
تیرے نزدیک عید عید نہیں

ذکر میرا سنو نہ مجنوں کا
لطف بے قصہ جدید نہیں

وہ رہیں اُسکے چشم و مژگاں کی
کس جگہ تربتِ شہید نہیں

نیند آئی رقیب آتا ہے
رخصت اتنی تو ہم بلید نہیں

شگفتہ اور بھی ہیں نغمہ سرا
پہ یہ آہنگ یہ نشید نہیں

ہے گو نہ شک ابھی عفوِ گناہ میں
جو ہے زبان پردہ نہیں ہے نگاہ میں

تمکین اضطراب ہے بیدادِ التفات
کیا شوخیٔ اثر ہے سراسیمہ آہ میں

ہر خار و خس ہے وجد میں ہر سنگ و خشت مست
کیا میکشوں نے آکے کہا خانقاہ میں

دشمن سے بھی زیادہ ہی گو دوست کیوں نہ ہو
ملجائے جو کوئی ترے کوچہ کی راہ میں

سرگشتہ انکے پھرنے سے ارباب درد ہیں
کیا فرق چرخ اخضر و چشم سیاہ میں

صیاد دلفریب کا اللہ رے لطف عام
بے زخم ایک صید نہیں صیدگاہ میں

ہی مجھ میں اور غیر میں نسبت وہی جو ہی
اندیشۂ درست و خیالِ تباہ میں

دن رات جسکو دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی نہ ماہ میں

یہاں بے زوال نعمتِ کمیاب عشق ہی
دعوی ہی بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں

ہی جلوہ گر کرشمہ کہ انصاف پیشگی
ہلدی لگی ہوئی ہے سر دادخواہ میں

تجھکو نظر نہ آئے تو اپنا علاج کر
ہی مرغزار جلوہ نما برگ گاہ میں

دھوکا مجھے کو صرف نہیں سیل یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

ہر شیوہ اُس کا اپنی جگہ میں تمام ہی
اعجاز بات میں ہی تو جادو نگاہ میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہی کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہی نہ لذت گناہ میں

ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو
تقصیر ہو کسی سے کسی کی معاف ہو

ہرگز ترے لبوں سے نہ چھوٹیں گے کام دل
سو بار آئیں تیر سے گو لام و کاف ہو

دل دینگے مال دینگے مگر جان سو بجز
بیہودہ ہی وہ شخص جو سر گرم لاف ہو

کافی ہی خوش گذرنے کو دنیا میں اسقدر
معشوق خوش مزاج ہو وجہ کفاف ہو

موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا
حسن و جمال میں جو کوئی یہاں مضاف ہو

ہی رشک بار عام غضب کیا عجب اگر
کنج خمول میں ہوس اعتکاف ہو

گر عفو ہو قصور تو اک عرض ہی ہمیں
یہ عرض ہی قصور ہمارا معاف ہو

غالب ہی کچھ تو فرق پڑے وہاں کی سیر سے
وحشت میں گر گذار میرا سوئے قاف ہو

رفتار چرخ ہی اسے شیوہ پہ دور کیا
گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو

ہاں تو شگاف در سے لڑا آنکھ غیر سے
تیری بلا سے دل میں کسی کے شگاف ہو

جو قیس کی روش تھی وہی اپنی راہ ہی
دونوں سلیم فکر ہیں کیوں اختلاف ہو

وہ طرز فکر ہم کو خوش آئی ہی شیفتہ
معنی شگفتہ لفظ خوش انداز صاف ہو

فروغ مہر نہ ہو رخ پہ گر نقاب نہو
نقاب اٹھا کہ یہ لمعان آفتاب نہو

بھرے ہیں رنگ تکلف سے اہل میخانہ
شراب بس ہی نہیں ہی اگر کباب نہو

کہیں نہ جائے بت مہروش یہ ممکن ہے
خلل نہ پڑے متحرک جو آفتاب نہو

ہی دلکو شکر و شکایت عدو سے بیتابی
کروں میں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہو

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح باب نہو

عزیز نہی بت میکش کو چشم تر لیعنی
بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدہ میں رند
وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہی شبِ ماہ
غضب ہی قہر ہی دیکھے وہ چشم یہ جلوہ

نہو سحاب تو کیفیتِ شراب نہو
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہو
خلاف شان ہی رُخ پر اگر نقاب نہو
جسے کہ مہر کی بھی دیکھنے کی تاب نہو

وہ روئی نالہ موزوں شیفتہ سُنکر
یہ وہ غزل ہی کہ جس کا کبھی جواب نہو

غیر سے حرف تمنائے جفا کہتے ہو
زندگی خاک ہو جب فہم ہیں اتنا ہو خلاف
کہتے ہیں لاف وفا موت سے پہلے کیسی
گلہ جور پہ کہتے ہیں زہے نا فہمی

کس سے کہتے ہو تمھیں خیر ہے کیا کہتے ہو
ہم اجل کہتے ہیں تم جسکو حیا کہتے ہو
ہم نہیں جانتے تم کسکو وفا کہتے ہو
ناز ہم کرتے ہیں تم اُسکو جفا کہتے ہو

شیفتہ شکوۂ دشمن سے بس آگے نہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہی تم کسکو بُرا کہتے ہو

توسنِ ناز اُٹھاتے کیوں ہو
ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
تاب نظارہ نہیں پہلے ہی یہاں

خاک میں شہر ملاتے کیوں ہو
عشق سے مجھکو ڈراتے کیوں ہو
تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو

میرے نزدیک ہو لیلیٰ سے سوا
قصۂ قیس سناتے کیوں ہو

حاصل اس سلسلہ جنبانی سے
پائے خوابیدہ جگاتے کیوں ہو

عرضِ غم حوصلۂ غیر کہاں
مجھ سے تم بات بناتے کیوں ہو

آتشِ عشق کہیں بجھتی ہے
شیفتہ اشک بہاتے کیوں ہو

ربط واں ہاتھ کو جب غیر کے داماں سے ہو
کیوں نہ یہاں ہاتھ کو پھر ربط گریباں سے ہو

جلوۂ دوست اگر دیکھیے تو میرا ذمہ
پھر پری زاد کو وحشت اگر انساں سے ہو

جو خوشی خط سے تمہارے ہوئی اس سر کی قسم
وہ شہنشہ و شہ روم کے فرمان سے ہو

حسن کیا رکن امارت ہے کہ ممکن ہی نہیں
ربط اُن سے نہ کرے کوئی جو ارکان سے ہو

میں نہیں جانتا آپ آئیں وہ یا خط بھیجیں
پر مرے دل کو تسلی کسی عنوان سے ہو

ہر ورق میں ہے عیاں جلوۂ نیرنگِ بہار
کیوں نہ دیوانوں کو شورش مرے دیوان سے ہو

چھیڑ دیکھو کہ کہا دونوں کو ذلت ہو نصیب
پر تجھے غیر سے ہو غیر کو درباں سے ہو

کس نے تاراج کیا ملکِ دل و دیں کہیے
آج تم شیفتہ کچھ بے سر و سامان سے ہو

اضطراب جرس ہے کیوں دل کو
کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو

بوسہ لیتے نہ مانگتا دشمن
منہ لگاتا ہے کون سائل کو

گل کو ہے اُس کے کان سے تشبیہ
کیا سُنے نالۂ عنادل کو

غمزدہ تیرے چشمِ کافر کا
سمجھے اعجاز سحرِ بابل کو

تجھ سے اے رشکِ خور جو دوں تشبیہ
نہ ہو نقصان ماہِ کامل کو

اب وہ نو خط ہے ملتفت دیکھا
نقشِ تسخیر خطِ باطل کو

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی
تھام لینا وہ تیری محمل کو

اے فلک یوں کامیابِ عیش کر پرویز کو
خوابِ شیریں بھی نہ ہو فرہادِ شور انگیز کو

سعیِ وصفِ نازنیں ہی فکر کی شبدیز کو
شوخیاں ابرو سے لینی چاہیئے مہمیز کو

دیکھ کر چشمِ غضب کو اُس کے میں اپنے رو دیا
چاہیے پانی ملا لینا شرابِ تیز کو

سانپ کے سونگھے ہوئے سے لے خبر ہمدم مجھے
سونگھ لی تو نے شمیمِ زلفِ عنبر بیز کو

کب ہوئیں گستاخیاں آدابِ دانِ عشق سے
دیکھیے تو نے یہ اپنی تمکینِ ہوس انگیز کو

نالۂ موزوں کی بے پروا خرامی دیکھنا
کر دیا خلوت نشیں غوغائے رستاخیز کو

کیوں نہ شادیٔ مرگ ہو ناکام مجھ سا دیکھ کر
زخم کے منہ میں زبانِ خنجرِ خونریز کو

خطِ آزادی تھا نامہ غیر کا اے جوشِ رشک
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دست آویز کو

اہلِ محفل کی پسندِ طبع یہ انداز ہی
شیفتہ کسکو سناتے شعرِ درد آمیز کو

...ھ تو شیریں کام کر تلخی کشِ بیداد کو
دے کفن تو عشقِ شیریں باف کا فرہاد کو

...آہ و زاری نارسا شوقِ اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک مرے صیّاد کو

...لے کامِ عشقِ شیریں بھی ہوئی پایانِ کار
یہ نویدِ شور افزا بھیجیے فرہاد کو

...کہتے ہیں زیرِ زمیں لیلی و مجنوں مل گئے
ہمکو بھی لازم ہی جانا واں مبارکباد کو

اک دمِ شمشیر سے آزار سے جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاّد کو

اے دل جو ہو سو ہونے دے گرمِ فغاں نہو
یہ جورِ یار ہے ستمِ آسماں نہو

دلبستگی جو ایسی ہی قاصد سے کیا عجب
گر حلقِ زخم خوردہ سے بھی خوں رواں نہو

مہر و وفا جو ماہ وشوں سے بعید ہے
راضی ہیں ہم اسیمیں کہ نا مہرباں نہو

کیا کیا بیان کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں ڈھونڈھنا
جس شہر دیکھیں کہ سراے مغاں نہو

آئی ہی فصلِ گل ہیں چمن سے ہوائے گرم
صیّاد نے جلایا کہیں آشیاں نہو

کیا ہو دعائی مرگ ہیں اُس شخص کو حجاب
جو نیم کشتۂ خنجرِ دردِ نہاں نہو

صوتِ حزیں سے کچھ ہو نہ شکلِ جمیل سے | گر صاحبِ معاملہ آزردہ جاں نہو

ایسا ہی سب کو چشمِ سخنگو سے شیفتہ
پھر میرے قتل پہ کوئی کیا ہمزباں نہو

ہی بد بلا کسیکو غمِ جاوداں نہو | یا ہم نہوں جہاں میں خدایا جہاں نہو
آئینِ اہلِ عشق کہاں اور ہم کہاں | ای آہ شعلہ باریہ نہو خوں چکاں نہو
فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہی | ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہو
تدبیر ترکِ دشمنِ جاں کی ہی رات دن | کس طرح پھر مجھے گلۂ دوستاں نہو
کیا وہ متاع جسکی نہو کوئی گھات میں | ڈرتا ہوں میں جو دزدِ پسِ کارواں نہو
جب تک فروغ می سے نہو سینہ نور زار | ہرگز حریفِ میکدہ اسرار داں نہو
لازم ہی بار بھی تو ہو بیتاب ورنہ کیا | وہ عشق ہی کہ ہیچ یہاں ہو وہاں نہو
ناحق وہ جی جلاتے ہیں سودائے عشق پر | جن کو یہ سوچ ہی کہ کچھ اسمیں زیاں نہو

ہم ہوئے دوست تجھکو سنگھا ہیں گے شیفتہ
مجھ شمیم طرۂ عنبر فشاں نہو

تہمت لگا کر آنکھ کوئی کیا خجل نہو | وسواس ہمکو جب ہو جو آئینہ دل نہو
تقوے میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک | صحبت سے اپنی کوئی ملول و خجل نہو

زنجیر آدھی رات کو کھڑکائے اور کون
ای جذب اشتیاق وہ پیماں گسل نہو

تنہا ملا ہے یار زمانِ دراز میں
ای فرطِ جوش شوق بس اب تو مخل نہو

افسردگی کے اپنے جو گرمِ بیاں ہوں ہم
آتش کبھی جہان میں پھر مشتعل نہو

دشمن کے افترا سے رہائی محال ہے
گھر یار کا جو گھر کے مرے متصل نہو

پھر دلدہی میں گرم ہی دلدار شیفتہ
ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہانِ دل نہو

اتنی جمیل سے تو کبھی اُنس و خو نہو
ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہ تو نہو

ہر گل کا رنگ تجھ سے مشابہ نہ دیکھیے
بچیے صبا سے بھی کہ کہیں تیری بو نہو

سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکال دیں
یہ آرزو ہی اب کہ تری آرزو نہو

جانا کہیں ہو جانتے تھے یا ترے گھر کی راہ
یا اب یہ ڈر ہی راہ میں تو روبرو نہو

یا غیر سے بھی خوش تھے کہ تیرا تو دوست ہی
یا اب خفا ہوں اُس سے جو تیرا عدو نہو

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑ دو
ملجائے تم سے شیفتہ ایسا کبھو نہو

کچھ پیچ و تاب دل کا جبیں پر اثر نہو
اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیشتر نہو

سامان عیش جمع مگر ہم کو اجتناب
کیا کیجیے جو حکم قضا و قدر نہو

اُن کو وہ لافِ مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں — ہمکو گر اہتمامِ تلاشِ خبر نہو

ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا — جو بات عیب کی ہی وہ ہرگز ہنر نہو

ہم وہ نہیں کہ اُس کو بھی رکھیں حساب میں — جب آہ کا کہ چرخ منہہ تک گذر نہو

کیا تاب ہی کہ تابِ مژگاں ہو جلوہ گر — جب قطرۂ سرشک میں لختِ جگر نہو

امیدوارِ جلوۂ معنیٰ غلط نہیں — جو نکتہ فہم محوِ نقوش و صُور نہو

ہر چند مجھ سے نے سبب آزردہ ہی مگر — ڈرتا ہوں میں منانے سے آزردہ تر نہو

ہیں آنے والے شیفتہ کچھ دوست اور بھی — مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہو

جب تک وہ مہر جلوہ یہاں جلوہ گر نہو — لاکھ آفتاب سے شبِ ہجراں سحر نہو

کیا مانگتے ہو جان بہت لوگ دے چکے — وہ بات ہم سے کہیئے کہ حدِّ بشر نہو

کسکو کیا پسند نہ کیونکہ کروں پسند — مجھکو نظر نہو جو غرورِ نظر نہو

یہ شوخ ہر نہ ناز بہت منفعل کرے — دربان نیت دوست ہمارا اگر نہو

میخانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر — وہ شام جس پہ تیرۂ فیضِ سحر نہو

آئینِ ناز کینہ و رسمِ ادا ستم — معشوقہ سے ہنر ہے جو بیداد گر نہو

یاروں کو رنج ہو یہ گوارا نہیں مجھے — ایسی جگہ مروں کہ کسیکو خبر نہو

اُن کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بیقرار
وہاں کچھ نہو تو جوش یہاں اسقدر نہو

وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں
لیکن یہ شرط ہی کہ ہمیں کچھ اثر نہو

اُڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سُنی ہی آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہو

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو

کیا عجب دور ہو آتش سے حرارت لیکن
ہی عجب اُنکی اگر دل سے شرارت کم ہو

منع کی حرص پر انسان ہوا ہی مجبول
ناصح دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

جان پُر مشغلہ فارغ ہو جو تم کو دیکھے
دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو

شمع رویوں سے بڑھا ربط بڑھی ظلمت دل
ورنہ ممکن تھا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو

اثر عشق کی افسانے جو سُن رکھے ہیں
حکم عشاق کو ہی یہ کہ محبت کم ہو

ہم نے دیکھا ہی وہ صیقل کدہ اللہ اللہ
کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو

نغمہ پُر درد ہی شورش سے اقامت معلوم
بادہ پُر زور ہی کیا نشہ کی شدت کم ہو

شیفتہ کیسی ہی معنی ہوں مگر نامقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اُٹھ صبح ہوئی مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ
نور سحر و حسن گل و لطف ہوا دیکھ

دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق
منت سے مناتی ہیں مجھے ہیں نہیں منتا
گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
عاشق بھی سہی پر کوئی فرہاد سا ہوگا
اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت

ای غیرت ناہید نہو نغمہ سرا دیکھ
اوضاع ملک دیکھ اور اطوار گدا دیکھ
ایک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ
کاشانہ دشمن میں نہو جلوہ نما دیکھ
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ایک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
اے **شیفتہ** یاوسی امید فزا دیکھ

کہوں میں کیا کہ کیا درد نہاں ہی
شکایت کی بھی اب طاقت کہاں ہی
نشانِ پائے غیر اُس آستاں پہ
اجل نے کی ہی کس دم مہربانی
تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
یہ کس گلرو کا عالم یاد آیا
ہوئی بیتابی بلبل سو شر
سحر اُن کو ارادہ ہے سفر کا

تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہی
نگاہ حسرت آہ ناتواں ہے
نہیں ہی میرے مرقد کا نشاں ہی
کہ جب پہلو میں وہ نامہرباں ہے
اب آئینہ سے وہ صحبت کہاں ہی
دم سرد اک نسیم بوستاں ہی
کہ گھبرایا ہوا کچھ باغباں ہی
قیامت آنے میں شب درمیاں ہی

کوئی یہاں لاؤ اُس عیسیٰ نفس کو
کہ مرتا شیفتہ نام اک جواں ہے

یاد آئے گی جو عطر فشاں اسکی کو مجھے
لیجائے گی بہشت میں گلشن کی بو مجھے

اے چرخ تیری دور میں انصاف ہے یہی
وصل صنم عدو کو ہو رشک عدو مجھے

رہ رہ کے ہجوم شوق کہ سنبل سے باغ میں
یاد آئیگا وہ طرۂ تابیدہ مو مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقت قتل
شاید کہ آب تیغ سے ہوگا وضو مجھے

تا صبح حشر بخت مرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آکے جگائے جو تو مجھے

تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطر فتنہ کی آتی ہے بو مجھے

تاب وصال اُس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ اے خلش آرزو مجھے

جاتا ہوں کوئے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہے تری جستجو مجھے

وہ مانع تپش ہے کہ تھیں شوق اضطراب
بھاتی نہیں ہے شیفتہ ایسی بھی خو مجھے

اگلی رشک انکو یاد آنے لگی
ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

کچھ بناوٹ سے تو نہیں یہ غش
تم مجھے عطر کیوں سنگھانے لگے

میرے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
یار غیروں کو بھی جلانے لگے

تلخ کامی کی گر کہیں لذت — چرخ غالب کہ زہر کھانے لگے

میرے رونے میں تو نہیں تاثیر — غیر پھر اشک کیوں بہانے لگے

غیر سے کب ہوا ہے ترک کلام — باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے

ق

ہم جو تحریک ناتوانی سے — قصّہ ہائے ستم سنانے لگے

ہنسکے کہنے لگے کہ ہاں سچ ہے — تم مرے ناز کیوں اٹھانے لگے

وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
جس کو زہرہ بھی سن کے گانے لگے

اور الفت بڑھ گئی اب اس ستم ایجاد سے — اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے

غیر کو اندوہ فرقت اب مبارک ہو کہ یہاں — دھیان جاتا ہی نہیں اسکا دلِ ناشاد سے

عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے ضرور — کسکو امید اثر ہے نالہ و فریاد سے

مجھ سے کیا کیا شاد ہوگی روح قیس و کوہکن — پھر نظر آتے ہیں کوہ و دشت کچھ آباد سے

ہائے وہ قابو میں عدو کے بس یہی تدبیر ہے — جا بیٹھیں اسکے پاس نالاں ہوکے بیداد سے

تنگ ہے آزادی پہ ایسے اسیروں کی مجھے — چھٹ گئی جو جان دیکھ کچھ صیاد سے

ڈوبنے کی جگہ ہے ناصحت ہجر میں — دے کے دنیا ہوں احبا کی مبارکباد سے

وہ قتیلِ تیشہ ہیں نسبت ابروے یار — یار بیجا مجھکو نسبت دیتے ہیں فرہاد سے

چھیڑتے کیوں ہو مجھے جانے دو ان باتوں کو بس
تم بھلا جاتے رہوگے شیفتہ کی یاد سے

پھر محرکِ ستم شعاری ہے
پھر انہیں جستجو ہماری ہے

پھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم
پھر وہی چشم وشعلہ باری ہے

پھر وہی جوشِ نالہ و فریاد
پھر وہی شورِ آہ وزاری ہے

پھر خیالِ نگاہ کافر ہے
پھر تمنائے زخم کاری ہے

پھر وہاں طرزِ دلنوازی ہے
پھر یہاں رسمِ جاں نثاری ہے

پھر وہی بیقراری تسکیں
وہی تسکینِ بیقراری ہے

پھر جفا وہاں وفا ہوئی پھر یہاں
ناامیدی امیدواری ہے

جب کے جور و ستم بھی یاد نہ تھے
پھر ہمیں اُس کی یادگاری ہے

پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے
پھر وہی وضعِ گرفتاری ہے

شیفتہ پھر ہو ننگِ عزت سے
پھر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

وہاں پہنچنے کی منت دمِ صبا پہ ہے
کہ شوق سے مرے خط کے لیے ہوا پر ہے

عدو کو آگے مرے مسکرا کے ذبح نہ کر
کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پہ ہے

غرض ہو جس کے سبب سے غضب ہے وہ یہ کہے
جئے جئے نہ جئے زور کیا قضا پر ہے

رقیب کہتے ہیں اس جور پہ تباہ ہتے ہو
قیامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے

خفا ہوئے ہیں عدو اپنی ہی بری خو سے
تجھے گمان بد اے بدگماں حیا پر ہے

خیال تھے اثر جذب دل سے کیا کیا آج
ہزار خون ہوس گردن حنا پر ہے

رقیب سے ہی جفائے حبیب کا شکوہ
تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے

25

فصل گل ہے میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے
توبۂ زولیدہ زیب طاق نسیاں چاہیے

محو لیلیٰ ہے یہ مجنوں چارہ سازوں سے کہو
اس کے رہنے کے لیے یوسف کا زنداں چاہیے

کشمکش اس جیب سے دست جنوں بیفائدہ
غیر کا زور آزمائی کو گریباں چاہیے

نرگستاں چاہیے نے چاہیے سنبل کدہ
چشم فتاں چاہیے زلف پریشاں چاہیے

جائے سبزہ سبزۂ خط قد موزوں جائے سرو
یہ گلستاں ہو تو ہاں سیر گلستاں چاہیے

شاہد ان دلربا اتنی نہیں دشوار جو
صرف انکو مال و جاں ناموس و ایماں چاہیے

ہر غزل اپنی بیاض چشم آہو پر لکھو
جیسے دیوانے ہیں ہم ایسا ہی دیواں چاہیے

نغمہ ہائے گلفشاں کو سمجھیں کیا زاغ و زغن
داد دینے کو مری مرغ خوش الحاں چاہیے

گرد کلفت خاک صحرا دشنۂ غم نوک خار
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیاباں چاہیے

جان دی ہی ہم نے درد ہجر گلرخسار میں
نغش کے ہمراہ بلبل مرثیہ خواں چاہیے

اکثر ایسے وقت کم آتے ہیں ارباب خلل
مے کشی کا شغل وقت ابر و باراں چاہیے

جس روش میں کی خواہش خواہ نیک خواہ بد
انہیں جد و جہد تا سرحد امکاں چاہیے

گر سلوک راہ حق پیشہ ہوا ای روحی فداک
جذبۂ بے اندازہ وسعی فراواں چاہیے

پایۂ کم پر شریفوں سے قناعت ننگ ہے
بایزیدی زہد ہو شبلی کا عرفاں چاہیے

جسم سے ہو معنی روح مجرد آشکار
لفظ سے ہو صورت معنی نمایاں چاہیے

اور اگر شیوہ معاذ اللہ رندی کا ہوا
کام ناقص ہی مگر کب اسمیں نقصاں چاہیے

نغمے کا گذر ہو پردہ گاہ زہرہ تک
موجۂ مے کا اثر تا بام کیواں چاہیے

آبرو رونے سے ہی پہ فخر یکتائی نہیں
شیفتہ مژگاں تر خونابہ افشاں چاہیے

کیونکر مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہی اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے

اتنی بھی بری ہے بیقراری
اب آپ سے انس کم کریں گے

جوش وحشت میں اے پری رو
بس تیرا ہی نام دم کریں گے

نوبت ہی تو سب امور میں ہو
اب عجز پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا میرے نہ ذکر کرنا
قاصد وہ بہت الم کریں گے

آرام کی فکر اب ہوئی ہے
تم سے نہ ہوا وہ ہم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد
ہم قصد سوئے عجم کریں گے

27

دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
کیا اثرِ نالۂ شبگیر ہے

جو کہ ہوا محوِ تجلّیِ ذات
خاکِ درِ اُس شخص کی اکسیر ہے

واہ ترا جلوۂ حیرت ادا
آئینہ عشّاق کی تصویر ہے

وجہ توقف اجلِ جاں فزا
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے

چھوڑ دے وہ تو بھی میں کیونکہ چھوڑوں
کشمکشِ زلف گرہ گیر ہے

کھیل ہی کچھ ہے کہ دکھا دوں تمھیں
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

غیر پہ پڑتی ہیں خدنگِ نگاہ
سینہ میں میرے خلشِ تیر ہے

خط کے نہ لکھنے کا لکھوں کیا گلہ
خامہ مدو کردۂ تحریر ہے

کیا کہوں احباب کی آہن دلی
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے

غیر بھی کیوں تم سے نباہیں گے گر
جرمِ وفا قابلِ تعذیر ہے

نغمہ سرا کون سا یاد آگیا
نالہ میں آوازِ بم و زیر ہے

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہے مجھے ایسی مہربانی سے

یہی ہے شکر کہ دل کی نظر تو روشن ہے
نظر تو خیرہ ہوئی برق لن ترانی سے

ہزار باتیں بناؤ ملے ہو غیر سے تم
نشان ہمکو ملا گم ہوئی نشانی سے

محبت اس خفگی سے عیاں ہوئی گلرو
کہ رنگ لطف ٹپکتا ہے بدگمانی سے

میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصف دہن
وہ ہونٹ کاٹتے ہیں اپنی نکتہ دانی سے

سوائے پیر مغاں اور ظرف کس کا ہے
کہ بہرہ ور ہو گدا جام دوستگانی سے

ثنا طلب ہے عجب کاری دل بیتاب
کہ دل گرفتہ ہے دلدار دلستانی سے

کسی کی نرگس میگوں نے کھو دیئے ہیں ہوش
یہ بیخودی نہیں صہبا کے ارغوانی سے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتش گل
یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے

یہ ہے نصیحت پیراں کار افتادہ
کہ بد بلا ہے جوانی ڈرو جوانی سے

وہاں تو شیفتہ مطلوب ہے خوش افشانی
نہ نکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے

شب ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے بوسے
دیں گے وہ مگر زلف گرہ گیر کے بوسے

اللہ رے کافر کی نزاکت کہ اڑا رنگ
ہم نے جو لیے رات کو تصویر کے بوسے

اس جرم سے قاتل نے لہو اس کو چٹایا
بسمل نے لئے تھے لبِ شمشیر کے بوسے

بسنہ فق مری جانب وہ چلے آتے ہیں گویا
نالے نے لیے شب رخِ تاثیر کے بوسے

وہ چومتے ہیں ہاتھ ادھر اور ادھر میں
سوفار کی لیتا ہوں جگر چیر کے بوسے

دل نشترِ رشک سے ہوتا ہے مشبک
زنبور نے لے اس ہدفِ تیر کے بوسے

نامہ کو مرے یار نے آنکھوں سے لگایا
ملجائے تو لوں نامۂ تقدیر کے بوسے

کرتا ہوں جو تعریف میں اس تنگ دہن کی
لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

یوں خاک نہ کرتا اگر اس لب کے نہ لیتے
ہم شیفتہ آگے فلکِ پیر کے بوسے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے
دیتے ہیں رنج ہر چارہ گزیں تیرے واسطے

انصاف کر کہ چرخ کو کیا مجھ سے کام تھا
ساری اذیتیں مجھے دیں تیرے واسطے

افغان دلخراش سے تو ہی جو بیقرار
اپنی سی آپ ہمکو ہی کہیں تیرے واسطے

تو کیا ہم آپ کہتے ہیں ہم نے برا کیا
سب کی برائیاں جو سہیں تیرے واسطے

جب لب کے غیر بوسے لیں اس لب سے شیفتہ
کمبخت گالیاں بھی سہیں تیرے واسطے

عشق ذلت ہی تو ذلت ہی سہی
میری ذلت تیری عزت ہی سہی

میرے آزار کی تہمت ہی سہی
تمکو الفت ہی تو الفت ہی سہی

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام
عشق کی آپسے نسبت ہی سہی

ہمکو بھی شوق ہے نظارے کا
دیکھنے کی تری عادت ہی سہی

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہو
نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے
قتل کی میرے ندامت ہی سہی

ہم نے بھی طرز صبا سیکھی ہے
تیری لگ چلنے کی خصلت ہی سہی

سب فسانے کا نہیں ہی جو دماغ
ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکیبی کی دعا مانگیں گے
صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے جو ہو جائے وصال
وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی

اژدہام غم و رشک و حرماں
پھر بھی فرصت ہی تو فرصت ہی سہی

بخت ناساز کا ہوں شکوہ سرا
اُنکے پردے میں شکایت ہی سہی

تجھے اغیار سے ملنا موقوف
مجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی

وصل اغیار سے ملنے وجہ نہیں
میرے مرجانے کی عبرت ہی سہی

دعویٰ الفت و بیتابی حیف
گر اذیت ہی اذیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
خیر اُن سے تمھیں نفرت ہی سہی

32

مجھ تازہ گرفتار نے فریاد زبس کی
جاں اُڑ گئی بس کہ نہ اسیرانِ قفس کی

پھر شکل نظر آئی مجھے دام و قفس کی
پھر دل لے مرے طرّۂ خوش خم کی ہوس کی

ہی رحم تو اُس بجز و بیتاب پہ لیلےٰ
جو اپنے ہی نالہ کو کہے بانگ جرس کی

نیرنگ ہی کیا سبزۂ خط شمع رخوں کی
یعنی ہی منافات بہم شعلہ و خس کی

غیروں سے اُسے بات نہ کرنے دوں ہیں لیکن
یہ بات نہیں ای مرے ہمدم مرے بس کی

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہی کہ لوں دھجّیاں اربابِ ہوس کی

ای شیفتہ اس فن میں ہی اک پیرِ طریقت
گو عمر ہی تیری ابھی اکیس برس کی

39

دستِ عدو سے شب جو وہ ساغر لیا کیے
کن حسرتوں سے خون ہم اپنا پیا کیے

شکلِ ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے

کب دل کے چاک کرنے کی فرصت نہیں ملی
تا صبح ہمیشہ چاک گریباں سیا کیے

تشبیہ دیتے ہیں لبِ جاں بخش یار سے
ہم مرتے مرتے نام مسیحا لیا کیے

ذکرِ وصال غیر و شب ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے ہمیں طعنے دیا کیے

تھی لحظہ لحظہ ہجر میں اک مرگ نو نصیب
ہر دم خیال لب سے ترے ہم جیا کئے

طرزِ سخن کہے وہ مسلم ہے شیفتہ
دعوے زبان سے نہ کئے ہیں نے یا کئے
34

اس کا دل گر مرے جلنے سے پگھل جاتا ہے
بل ابھی شمع کے رشتہ کا نکل جاتا ہے

رشک سے رنگ میں تغیر جو پائی تو کہا
تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہے

بھیجکر کسکو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پہ کب سوے اجل جاتا ہے

صدقے اس خوش حرکاتی کے سحر چھیڑنے کو
شب کو سوتے میں مجھے عطر وہ مل جاتا ہے

میں تو وہ گرم رو آہ طلب ہوں کہ اگر
وہاں جائے تو لب بام ابھی پھسل جاتا ہے

ہجر میں وصل اجل کا کوئی جاتا ہے خیال
چارہ گر جان ہی لیکر یہ خلل جاتا ہے

ہنستے ہنستے جو رکاوٹ تری یاد آتی ہے
اشک گرتے ہوئے آنکھوں سے سنبھل جاتا ہے

شیفتہ بسکہ ہوں میں سرو قدوں کا کشتہ
نخل جو گور پہ اگتا ہے سو جل جاتا ہے
35

گلے پہ میرے ز دشمن کی وہ شمشیر پھرتی ہے
نہ یہاں تدبیر چلتی ہے نہ وہاں تقدیر پھرتی ہے

تری خو کردہ پھر اپنے تجھکو دیکھکر جانا
کہ میری آنکھ کے آگے تری تصویر پھرتی ہے

نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے
تجسس میں فغان شوق کی تاثیر پھرتی ہے

نہیں نخچیر تیرے صید گہ میں اے شکار افگن
بشکلِ آرزوئے خاطرِ نخچیر پھرتی ہے

ترے گھر سے مرے گھر کا ہے انکو قصد اے دشمن
تری تقدیر پھرتی ہے مری تقدیر پھرتی ہے

گھٹا چھائی ہے لالہ کھل رہا ہے صبح ہی سی ہے
عنانِ عزم کیوں گلشن سے بے تاخیر پھرتی ہے

نگاہِ دلربائی یار طبع بو الہوس دیکھی
کہ آپ ہی آپ سے تقریب بے تقصیر پھرتی ہے

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن
کبھی دلمیں ہوائے شیوہ ہائے تیر پھرتی ہے
36

ادھر مائل کہاں وہ مہ جبیں ہے
فلک کو مجھ سے کیوں پرخاش و کیں ہے

نہ دیکھا اپنے بسمل کا تماشا
قریب آکر وہ کتنا دور بیں ہے

یہ اچھا ہے تو اچھا غیر کو بھی
ستاؤ اور پوچھو کیوں غمیں ہے

ہمیں صورت دکھائے کیا تمنا
کہ عاشق جس کے پاس پردہ نشیں ہے

یہ مجھ سے شکوہ ہے اللہ رے شوخی
کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے

یہ کیسا تفرقہ ہجراں نے ڈالا
کہیں کیا ہم کہیں ہیں دل کہیں ہے

نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب
یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

لطف اوروں پہ ہے ہمکو ستم بھی بس ہے
نہ سہی وہ بھی ہمیشہ کوئی دم بھی بس ہے

بزمِ دنیا میں ہی وہ شخص کو کب عیشِ نصیب
سو تجھی کو رہے مجھکو تو یہ غم بھی بس ہی

دسترس بوسہ پا کی جو نہیں ہی نہ سہی
اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہی

سجدہ دوست ہوا عشق کا حسن یعنی
اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہی

غیر پر چاہیے ای چرخ تجھے کرنا جور
مجھ سے ناکام کو تو بخت دژم بھی بس ہی

دولتِ وصل سے کیا کام ہو پیسا کون کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہی

کی تمنا ے کرم ہیں نے تو فرماتے ہیں
شیفتہ تیرے لیے جور و ستم بھی بس ہی

سجدے کے کسی در پہ تمنا نہیں رکھتے
گردن پہ ہنر ناصیہ فرسا نہیں رکھتے

اس کوچے میں ای نکہتِ گل جلوہ عبث ہی
ہم کچھ ہوسِ سیر و تماشا نہیں رکھتے

ہر چند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

دشوار نہیں رفعِ حجاب آپ سے لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے

یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہی کہ گویا
ہم جانِ حزین و دلِ شیدا نہیں رکھتے

مطلب ہے و معشوق سے ناصح کو نہیں اور
ہم دیدہ بینا دلِ دانا نہیں رکھتے

کس لطف سے وہ لطف ہیے فارغ ہیں کہ عشاق
تابِ نگہ و حوصلہ فرسا نہیں رکھتے

دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہی کہ بے وجہ
وہ سر پہ پرندِ گھر آما نہیں رکھتے

اے **شیفتہ** ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے
39

خندہ زن ہیں دوست میرے دیدۂ پرآب سے
بختِ دشمن کو جگائیں میرے نالے خواب سے

وصل کی شب میں نئی باتوں سے ہم واقف ہوئے
شعلۂ خس ہی نہایت دیرپا مہتاب سے

میں لہو روتا ہوں ناحق اُن کا دامن دیکھ کر
اُن کا دامن بھر گیا ہے میرے ہی خونناب سے

ہیں وہ میکش ہوں اگر بیخود بھی ہو جاؤں کبھی
ہوش آتا ہے مجھے بوئے شرابِ ناب سے

گرم خو دیکھا تو کر دیتی ہیں سب کو بیقرار
دل کو راحت ہو گئی بیتابیٔ سیماب سے

جسکو سمجھا آشنا نکلا غرض کا آشنا
دل ہی افسردہ نہایت گرمیٔ احباب سے

ضد تو دیکھو تشنہ کام شوق مجھکو جان کر
قتل کرتا ہے ستمگر خنجرِ بے آب سے

فرشِ مخمل پر تھے وہ ہمخوابِ دشمن خواب میں
رونگٹے میرے کھڑے ہوتے ہیں نامِ خواب سے

کسکی زلفِ خم بخم پھر لے گئی تاب و قرار
شیفتہ پھر کچھ نظر آتی ہے ہم بیتاب سے
40

رقیب بوالہوس کا منہ ہی لطفِ جور کو دیکھے
وہ اپنی وضع کو دیکھے ہمارے طور کو دیکھے

پریوش بھی ہیں شیدائی کے شیدا ناصحو دیکھو
بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے

نظر سے فتنہ کی گردش سے گردونکی بچا وہ ہے
جو چشمِ مست کو ساقی کی مرکے اور کو دیکھے

صفائی غیر سے کیجے گلہ ہیں نہیں ہم سے | کوئی کیا خاک خوش ہو جب کسی بدطور کو دیکھے

ستم سے شیفتہ اب مطلع پابوس کرتے ہیں
وہ اپنی تاب کو دیکھے۔ ہمارے جور کو دیکھے

پھر نصیحت کی کسکو تاب رہے | جو یہی دلکو اضطراب رہے
جب خطائے نکردہ ثابت ہو | عقل کیا بر سر صواب رہے
بوئے گل کام کر چکی اپنا | دختر رز نہ نقاب رہے
مل گیا دوست منتخب پھر کیوں | شعر کا شوق انتخاب رہے
واہ رندی و میکشی کہ یہاں | عمر بھر عالم شباب رہے
جب پڑی لذت ہم آغوشی | پھر بغل میں کہاں کتاب رہے
نہ غافل ہو انجمن ساقی | دور میں ساغر حباب رہے
بزم دشمن کا عزم تھا موقوف | تھوڑی دیر اور گر حجاب رہے
ہی بڑھاپے میں خوف بدمستی | کہ جوانی میں کم خراب رہے

شیفتہ کوئی حال وارد ہو
پر معارف سے اجتناب رہے

منہ بنائے ہوئے اس کو سے گذر کرتا ہے | اپنوں کو غیر بھی دلمیں مرے گھر کرتا ہے

قدح اُس کو بھی موزون ہی مگر کرتا ہی
کیوں شبِ وصل ہیں غل مرغِ سحر کرتا ہی

یاد ہیں اُس دُرِ دنداں کی ہوا جاتا ہوں
کارِ الماس مرے حق ہیں گھر کرتا ہی

اُس کے ناوک کی توجہ پہ مری جان نثار
ہاتھ سے چھوٹتی ہی فصد جگر کرتا ہی

گر نہیں یہ کہ برتتا ہی وہ ظاہرداری
کیوں نگاہ غلط انداز ادھر کرتا ہی

دلِ مضطر کی رہائی ہیں نظر رکھتا ہی
جو ترے طرۂ خوش خم پہ نظر کرتا ہی

دیکھئے آہ ہماری بھی اثر کرتی ہی
سخنِ درد سُنا ہی کہ اثر کرتا ہی

ایک دن شام ہماری بھی سحر کردیگا
وہی جو شام کو ہر روز سحر کرتا ہی

دل کے ٹکڑے ہوکے جلتے ہیں مگر مرغِ چمن
آج کچھ نالہ بالحانِ دگر کرتا ہی

آج پھر ماتمِ یوسف ہی ہر اک کوچہ میں
کارواں مصر کو کنعاں سے سفر کرتا ہی

بدگماں آپ غلط محرمِ اسرار سے ہیں
دل ہمیں رازِ نہانی کی خبر کرتا ہی

جان کھوئی ہو جسے مدِ نظر مثلِ حباب
وہی مشتاقِ فنا چشم کو تر کرتا ہی

شیفتہ جسکو نہیں عشق وہ اپنے نزدیک
کیا بُری طرح سے دنیا میں بسر کرتا ہی

عشق کی میرے جو شہرت ہو گئی
یار سے مجھکو ندامت ہو گئی

خاک عرضِ مدعا اُس سے کروں
جسکو باتوں میں کدورت ہو گئی

یہاں سے جانے کو ہیں وہ آچک کہیں
کیا بلا لے ابر رحمت ہو گئی

اب ستم اغیار پر کرنے لگے
میرے مرجانے سے عبرت ہو گئی

جلوہ معنے نظر آنے لگا
پیتے پیتے مے یہ صورت ہو گئی

انکی باتیں اس نے بھی چھپکر سنیں
آج ناصح کو نصیحت ہو گئی

منع وصل غیر پر ہنسکر کہا
بارے اب تمکو بھی غیرت ہو گئی

بوئے گل اس گل کی بو کے روبرو
فی الحقیقت سے حقیقت ہو گئی

بس نہ فرماتے پھر و یہ شیفتہ
گو انھیں تم سے محبت ہو گئی

وہ جو اٹھے جان رخصت ہو گئی
شیفتہ یہ کیا قیامت ہو گئی

بوئے یار اس بزم میں آئی مجھے
جب تجھے ساقی سے الفت ہو گئی

جلوہ بیڈھب مانع نظارہ ہے
وصل میں تاثیر فرقت ہو گئی

نغمہ و مے سے مجھے کیا کام تھا
ان کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی

بے سخن نسبت مع اللہ ہی اسے
قوم سے جسکو کہ نسبت ہو گئی

اب رقیب بوالہوس ہیں عشق باز
دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی

سچ کہوں گا گو ہیں دونوں آشنا
ق بیشک ان سے سہو و غفلت ہو گئی

عشق سے کیا کیا خرابی پڑ گئی — عقل سے کیا کیا حماقت ہو گئی

شیفتہ ایک رندِ مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی
44

ملنے کا میرے اور نہ تیرے چرچا نہ کریں گے — گر دوست ہیں اغیار تو رسوا نہ کریں گے

ملنے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھ کر — یہ اہلِ مروت ہیں تقاضا نہ کریں گے

کب اہلِ خرابات کوئی راز کہیں گے — جبتک کہ نہ ہم سے ہمیں بیگانہ کریں گے

پہنچا ہوں میں مرنے کے قریب آتے ہیں دیکھو — وہ دور ہیں اب پاس عدو کا نہ کریں گے

جاتے ہو اگر غیر کے گھر ضد سے ہماری — ہم آپ کے آنے کی تمنا نہ کریں گے

مسجد میں بھی آتا ہے خیالِ خمِ ابرو — ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

وہ مجھ سے نہ بولیں کبھی یہ بات نہ ہوگی — وہ غیر سے باتیں کریں ایسا نہ کریں گے

ای حور لقا کیوں نہ تمنائے جناں ہو — کیا وہاں تجھ سے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے

ہم آپ پہ غش ہیں تو غش آیا یہ سخن کیا — تم آپ سے جاتے ہو ہم آیا نہ کریں گے

ہرگز بھی نہیں خاطرِ جاناں میں کھٹکا نا
اے شیفتہ ہم دعوے بیجا نہ کریں گے
45

کیوں نہ مجھکو مرضِ یاس کی شدت ہو جائے — ملک الموت بھی جب بہرِ عیادت ہو جائے

گریۂ غیر سے وہ پھر عیادت ہو جائے
اشک شادی ہی یہ کاش اشک ندامت ہو جائے

اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا شادیٔ مرگ
کیا کروں اُسکو بھی گر مجھ سے محبت ہو جائے

اور گر کچھ نہو دامانِ اجل تو کھینچوں
کاش اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے

نیم جاں ہوں وہاں قتل کا آئے جو خیال
تو یہاں اُس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے

سانس بھی کل تو نہ تھی آج نکلتی ہی آہ
مجھکو ڈر ہی کہیں پھر مجھکو نہ مہلت ہو جائے

ناصحو منع کرو جب تو یقیں میں مانوں
تمکو بھی گر کسی بیدرد سے الفت ہو جائے

پاکے متنفر مجھے مرنے پہ پڑے وعدے ہیں
ہی بڑا لطف اگر اب مجھے صحت ہو جائے

شیفتہ ایسی اُڑا اہل کدورت کی خاک
دیکھکر شیشۂ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

ہی ستم واقف ہو میرے حال کی تغیر سے
بوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ نکلے تاثیر سے

عشق میں اک صید افگن کی ہی یہ جوش جنوں
فصد میری کھولنا جرّاح نوک تیر سے

چاہیے اغیار کو بھی اپنے منہ پر کچھ ملیں
چاہ ثابت ہوتی ہی وہاں رنگ کی تغیر سے

مر رہا ہوں وہ فرقت میں نہیں دیتا کوئی
سچ اگر پوچھو تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے قبض جاں ہونے لگی
دست دشمن کم نہیں کچھ قبضۂ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جاتا ہی بعد از مرگ بھی
دیکھ لو وحشت ہی ظاہر قیس کی تصویر سے

کیا غضب ہیں وہ بھی پڑھوایا عدو سے خط میرا
تھی جو آگاہی شکایت اُنھیں تحریر سے

وصل میں روتے تو شاید کچھ اثر ہوتا اُسے
کیا شبِ غم میں حصول اس آہ بے تاثیر سے

ننگ مہمانیِ دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کیا ذکر اُس کے آگے مری آہ کا چلے
جس گل کی شمع بزم سے بچکر صبا چلے

یوں بعد ذبح چھوڑ تڑپتا ہوا چلے
قربان ایسے آنے کے کیا آئے کیا چلے

ناصح تری زبان ترے بس میں جب نہ ہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے

محروم ہوں رقیب بھی جلوے سے یار کے
بجھ جائے شمع بزم میں ایسی ہوا چلے

اللہ کیا غرور ہے تمکو کہ بزم سے
ہم کتنے جلد اُٹھے پہ اتنا کہا چلے

ہے شوقِ وصل ہی کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
اُنکی گلی کی سمت مرا نقشِ پا چلے

مانا کہ جلد آ گئے پر اس کا کیا علاج
پہلے سے اُٹھتے ہی جو مزاجی بہا چلے

کیوں وہ کتا ہی اسمیں ضرر کیا ہے ساربان
دیوانہ ایک گر ہمیں محمل لگا چلے

افسوس اُس نے کچھ نہ کہا سُن کے حالِ دل
ہم قصہ خواں کی طرح فسانہ سُنا چلے

دیکھا جو نزع میں مجھے کچھ رحم آ گیا
گو زہر دینے آئے تھے شربت پلا چلے

وعدہ عدو کا آپ کی تکرار سے کھلا
ہیں لیتے تو نہیں کہا تھا کہ کیا آئے کیا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بیوفا
روتے مرے جنازہ پہ کیوں اقربا چلے

وہ گل کہیں جو جائے تو کیونکر ملے سراغ
مانند گرد جس کی جلو میں صبا چلے

گرمی کے عذر سے انھیں جانیکا قصد ہے
اے آہ سرد رحم کہ ٹھنڈی ہوا چلے

کیسا ہی غم رسیدہ ہو یہاں آکے شاد ہو
اک ہم تمھارے پاس خوش آئے خفا چلے

تھی کب سے مرگ حسرت دیدار میں نزاع
وہ آکے ایک لمحہ میں جھگڑا مٹا چلے

جلدی ہے کیا ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں
آخر تری گلی سے تو اے بیوفا چلے

کیا پیش آئے دیکھئے وہاں جاکے دوستو
کہدو کہ پیچھے پیچھے مرے رہنما چلے

اے جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہگئے چلتا ہوا سے چلے

کس کس سے آہ ہیں بگڑ گئی کچھ یہ بھی دھیان تھا
پائیں تو آپ شیفتہ ان سے بنا چلے

ظالم کبھی تو داد دل و چشم تر ملے
سینہ سے سینہ اور نظر سے نظر ملے

بے صرفہ ہی مشقت تحریر و صرف زر
رستہ ہی میں ہمیشہ ہمیں نامہ بر ملے

ہے دشمنوں سے انکو ملاقات ابر و کشت
ملتے ہیں ہم سے جیسے کہ خس سے شرر ملے

کیا پوچھتے ہو لطف کروں تجھپہ کسقدر
اذن غرور و ناز تمھیں جسقدر ملے

ہم خوب جانتے ہیں تمھارے بگاڑ کو
غیروں سے لڑکے ہم سے بھی تم بیشتر ملے

نیرنگ عشق دیکھ کہ منظور ہے اُنھیں
گلگونہ میں چکیدۂ مژگان تر ملے

محفل طرازیوں کے مزے سب دکھاؤنگا
وہ اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے

اب ہی اُنھیں تلاش ہماری تو فائدہ
وہ وقت بھی گیا کہ ہمارا اثر ملے

کھائے تلاش کوچۂ جاناں میں سو فریب
سبزہ جہاں ملا ہمیں یہ سمجھا خضر ملے

ظالم تبسم نمکیں میں نہ کر دریغ
آخر ذرا تو لذّتِ زخم جگر ملے

وہ شیفتہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کسکے گھر ملے
49

ابر دریوزہ گر آب ہو آتش ہے ہمسے
برق بھی مانگ کے لیجاتی ہے اخگر ہمسے

صلح کُل اپنی تو دا الست میں ہمینی ہے
وہ ہوئے صاف تو ہے غیر مکدّر ہمسے

ناصحو ساری نصیحت حسد و رشک سے ہے
ترک ہوتا ہے کوئی جیش مقدّر ہمسے

گردن غیر پہ چلتے نہیں دیکھا ہرگز
پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہمسے

شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہمسے
50

دل لیا جس نے بیوفائی کی
رسم ہے کیا یہ دلربائی کی

تذکرہ صلح کا کرو نہ کرو
بات اچھی نہیں لڑائی کی

تمکو اندیشۂ گرفتاری — یہاں توقع نہیں رہائی کی

وصل میں کس طرح ہوں شادی مرگ — مجھکو طاقت نہیں جدائی کی

دل نہ دینے کا ہمکو دعویٰ ہے — کسکو ہے لاف دلربائی کی

ایک دن تیرے گھر میں آتا ہے — بخت و طالع نے گر رسائی کی

دل لگایا تو ناصحوں کو کیا — بات جو اپنے جی میں آئی کی

ق

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا — شان ہے اُس کی کبریائی کی

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے — زلزلہ آسمان پر کچھ ہے

نالۂ نیم شب کے زور تو دیکھئے — تجھ میں بھی دم دم سحر کچھ ہے

راز پوشیدہ پوچھئے کس سے — بے خبر ہے جسے خبر کچھ ہے

نالہ سنتے نہیں تو بات سنو — خوب باتوں میں بھی اثر کچھ ہے

عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے — دردِ دل سوزشِ جگر کچھ ہے

حُسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے — شہر میں شورِ الحذر کچھ ہے

اُس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے — کہ عدم سے بھی بیشتر کچھ ہے

کھوٹی باتیں ہیں اور پہلو دار — ہاں ترے دل میں سیمبر کچھ ہے

عشق میں ساری خوبیاں ہیں جمع — اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے

رحم بہت انس کم ہی طینت میں — وہ بہت ہی پری بشر کچھ ہے

دوست یوں ان لکا د پڑھتے ہیں — کہ میری سمت اسے نظر کچھ ہے

برق ہی روزگار خندۂ گل — ناز یہ فرصت اسقدر کچھ ہے

شیفتہ بھی ہی مجمع اضداد
کچھ ہنر مند ہے ہنر کچھ ہے

51

نازکی کیا ہوئی کیوں عشق نہیں کیا صورت ہی — آئینہ دیکھنے سے انکے مجھے حیرت ہی

غیر تو طعنہ نہ دے گو کہ مجھے فرقت ہی — کوہکن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہی

عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت ان میں — غیر کو رنج ہوا ہی تو ہمیں راحت ہی

کچھ نئی بات نہیں وعدہ تسلی کیا ہو — وہی حرماں وہی یاس وہی حسرت ہی

مجھ سے آزردہ ہو کیوں میں بھی تو کہتا ہوں یہی — تم ملو غیر سے ممکن ہی یہ سب تہمت ہی

گر عیادت کو عدو کو بھی لیے آئیں تو خوب — کہ مرا رشک سے مرنا سبب عبرت ہی

غیر کو یاد رہے تیری محبت ہی نہیں — اور اگر ہی تو تری مجھ سے کیوں نفرت ہی

ای عدو کس لیے نازاں ہی سمجھ تو آخر — جس سے ہم خوار ہوئے ہیں وہی عزت ہی

چشم سے اشک رواں لب پہ ہی آہ سوزاں

52

شیفتہ کس کے لیے آپکی یہ حالت ہی

آؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی — ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

ایک حالت پر نہیں رہتا کوئی — اب وفا ہو بیوفائی ہو چکی

ہم سبک ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے — جو ہیں وہ بگڑے لڑائی ہو چکی

ضعف سے ہی آپ میں آنا محال — اُس کے کوچہ تک رسائی ہو چکی

ابکی جب صورت سے ہو ملجائیے — غیر کہتے ہیں صفائی ہو چکی

شیفتہ یہاں عشق یہ وہاں حسن وہ
دونوں عاجز پارسائی ہو چکی

زہر سے الماس سے تلوار سے — مجھکو الفت ہی انھیں دو چار سے

لیچلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں — آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

نعش اُٹھانے کا ہی اب ساماں کریں — چارہ گر بیٹھے ہیں کیوں ناچار سے

ذکر وصلِ غیر کر بیٹھے مبادا — کیا ملیں ہم محرم اسرار سے

پھر تو قابو میں اجل کے آ چکے — بچ گئے ہم گر غم دلدار سے

کاٹ کر سر خط کی جا بھیجا اُسے — کام خامہ کا لیا تلوار سے

جب ہمارا رشک سے جی بھر گیا — بزم خالی ہو گئی اغیار سے

جو گلہ سمجھے تھے نکلا شکر ہائے — کی شکایت ہم نے کس عیار سے

واہ ہم تو دیکھ کر مر جائیں اور — زندہ ہوں مردے تری رفتار سے

وہم آسایش سے وحشت ہو گئی — اس پری کے سایۂ دیوار سے

پھر یہاں سے کوئی بیٹھے شیفتہ
اٹھ گئے جب آپ کرنے یار سے

لطف ظاہر ہے مرے آزار سے — آشتی ہے مدعا پیکار سے

فیضیاب نور و آئینہ بند حسن — مہر اس کی پرتو رخسار سے

ساقیا بنت العنب وہ لاکھ ہو — دل بازرستہ ہو بازار سے

غیر کو سیدھا بنایا یار نے — ہے تعجب چرخ کج رفتار سے

جی اٹھے فرہاد اگر شیریں کہے — کیوں صدا آتی نہیں کہسار سے

کیا کہوں جوہر شناسی یار کی — مجھ کو مارا تیغ جوہر دار سے

بلبل شوریدہ بیتاب وصال — اس کے کوچہ کو چلی گلزار سے

ہمکناری کی ہوس تھی وقت قتل — ہم لپٹ کر رہ گئے تلوار سے

ہائے جوش بیخودی ہائے جنوں — راز الفت کہہ دیا اغیار سے

واہ ہوش پاس بدنامی کہ ہے — فکر اخفا محرم اسرار سے

جلد کھولو شیفتہ آغوشِ شوق
یہ صدا آئی لبِ سوفار سے

ترک ہوتا یار اور اغیار سے
قطع ہونا ربط گل ہے خار سے

کام جب ہی اور دعوے عشق کا
یار ہی یاں مدعا ہی یار سے

ہی ضرورت غیر کو واقع ہیں آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے

آہ و زاری سے شکوہ حسن ہے
جیسے رونق باغ کی اشجار سے

جز دلِ شوریدہ لذت کون اٹھائے
عندلیبِ مست کی گفتار سے

دیکھ لیں گے ہم بھی گر اغیار کو
آپ نے جھانکا سر دیوار سے

فصد کے قابل دلِ بیمار ہے
چارہ جو ہے نرگسِ بیمار سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہی
بارگاہِ ثابت و سیار سے

ویرانی ہی وہ جگہ جو ہی الگ
ساحت جنگل اور [illegible]

شیوہ ہائے برق خائف شیفتہ
جلوہ گر ہیں اُس کے شوخ ادا سے

کچھ بات راز کی ہے ذرا پاس آیئے
جی چاہتا ہے آج خوب عدو کو بنائیے

بلبل خزاں میں آتشِ دل یوں بجھائیے
گل کے [illegible] شمع کے قرباں جائیے

رونا ہوا ہی اشک ندامت کہ ہنس کے وہ
کہنے ہیں اور بھی کوئی دریا بہایئے

بوسہ ہنسی ہنسی میں جو کل لے لیا تو پھر
کہنے لگے بھلا ہمیں کیا منہ لگایئے

سو بار انجمن سے اٹھاؤ ہم آئیں گے
اب ٹھن گئی کہ ناز تمہارے اٹھایئے

آتا ہی رحم نازکیٔ گوش یار پر
اے وائے کیونکہ حال دل اسکو سنایئے

تدبیر صلح خوب ہی بن آئے بات تو
جی میں ہی آج غیر سے آنکھیں لڑایئے

گذرا ہیں اعتماد محبت سے فخر سے
مجھکو رقیب سمجھنے پر آپ آیئے

ایک نیم ناز بس ہی ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجے دیکھ کے بس مسکرایئے

دشنام و نغمہ اسمیں ہمیں بحث کچھ نہیں
سننے ہیں آج آپ ہمیں کچھ سنایئے

واعظ کے قول خوب ہیں رندوں کے فعل خوب
وہ ان سے سیکھ لیجے یہ اسکو سکھایئے

بے محو نقش کہنہ کہاں جا سکے نقش نو
سر مشق دل سے نقش تمنا مٹایئے

ہر چند سیر کی ہی بہت تم نے **شیفتہ**
پر میکدہ میں بھی کبھی تشریف لایئے

لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہی
جو خاصیت کہ اس لب اعجاز فن میں ہی

یا مرسل الرّیاح ادھر کو بھی بھیجدے
وہ بوے خوش کہ جیب نسیم یمن میں ہی

دیتے ہیں چشم روشنی چشم روشنی
آمد نسیم مصر کی بیت الحزن میں ہی

نیرنگِ نوبہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیب دامِ فریبِ چمن میں ہے

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خورد سال
کیفیت عجب مرے دیوانہ پن میں ہے

الماس لیکے آئیں گے دینے ہیں یہ نوید
لذت نئی کچھ آج جو زخمِ کہن میں ہے

وہ آہوئے رمیدہ کہ ہم جن کے صید ہیں
نے وادیٔ تتار نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچۂ نشگفتہ کا ہنوز
بندِ قبائے شاہدِ گل پیرہن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلۂ برقِ غضب پڑا
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

کیا کیا پھنسا رہی ہے ہمیں دامِ رشک میں
آشفتگی کہ زلفِ شکن در شکن میں ہے

غیروں سے بہرہ ور نہ ہوا ایسے شوق پر
کیا سطوتِ قبول کوہکن میں ہے

خلوت میں شیفتہ سے کوئی ملکے کیا کرے
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

ہوا نہ مدِ نظر چشمِ یار کے بدلے
ہزار رنگ یہاں روزگار کے بدلے

صبا کو بھائے جو محفل کی تیری رنگینی
چمن کو داغ دیئے لالہ زار کے بدلے

کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

خلافِ عہد ہی شیوہ تو کیا قباحت ہے
ستم کا عہد وفا کی قرار کے بدلے

عجب ہی شہر ہی دلّی بھی شیفتہ ہرگز

میں صبح و شام نہ لوں اس دیار کے بدلے

میری خوشی کا اُن کو نہایت خیال ہے
کچھ ان دنوں میں غیر سے شاید ملال ہے

ملے کچھ سنے ہیں رشک سے دل پر ہزار داغ
نامِ خدا یہ گرمیِ حسن و جمال ہے

لئے تابِ وصلِ غیر نہ تیرے منع چیز
تقدیر سے معارضہ کی کیا مجال ہے

قصدِ جواب ہو بھی تو کیا خاک دیں جواب
بے صرفہ منتصل یہ ہجومِ سوال ہے

کچھ میرے عشق میں تمہیں شک ہو تو سامنے
دیوانِ خواجہ حافظ فرخندہ فال ہے

ہم نے کیا یہاں سے گذر کر جہاں مقام
وہاں وسعتِ سپہر زمیں پائمال ہے

ہے شانہ کش جو زلفِ پریشاں میں بوالہوس
فکرِ وصال عاشقِ آشفتہ حال ہے

ممکن نہیں کہ برقِ نگہ غیر پر پڑے
جز طور اور پہ ہو تجلّی محال ہے

کچھ آج **شیفتہ** ہے بہت مضطرب مگر
جلنے کا اس کے غیر کے گھر احتمال ہے

ایامِ ہجر میں جو اجل کا خیال ہے
بیشک دماغ میں اثرِ اختلال ہے

خوش تھے کہ خونبہا سے نظر پہ جبر نہ تھی
کیشِ جفا میں خون ہمارا حلال ہے

اُن کے خلافِ وعدے سے ہیں شرمسار ہوں
کیونکر کہوں کہ مجھ سے انہیں انفعال ہے

کیا نسترن ہو تم کہ یہ پیاری شمیم ہے
کیا برگِ گل ہو تم کہ یہ زیبا جمال ہے

ساقی کو ہم کہے ہیں سزاوارِ نوشش ہے
صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہے

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز ہے
معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شے کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی
ہر بات منطقی کی مراؤ جدال ہی

اربابِ حکمتِ نظری کو عمل نہیں
اہلِ کلام کو ہوس قیل و قال ہی

جن کو کہ دستگاہ ہی فن نجوم میں
عمر اُنکی صرف زائچہ ماہ و سال ہی

رہتے ہیں بعض درپے اسراف رات دن
بعضوں کو روز و شب سرِ توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخرِ نسب لذیذ
بعضوں کو ذوق دعوی فضل و کمال ہی

مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریق لجۂ بیم زوال ہی

جو ہیں حریص سیرِ چمن اُن کو بزم میں
ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہی

جی ہیں کسی کی خواہشِ آرایشِ لباس
دل میں کسی کے حسرتِ جاہ و جلال ہی

کوئی طلب میں اشہبِ گلگوں نظیر کی
کوئی اسیر شوقِ شکارِ غزال ہی

کوئی فداے قامتِ آشفتہ خرام ہی
کوئی خراب نرگسِ جادو مثال ہی

ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں
بیوجہ کوئی خوش ہی کسی کو ملال ہی

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اسکا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہی

تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے
تو جیسا ہی بس جی مرا جانتا ہے

ہوا انس کیوں دل کو اول نظر میں
کہ وہ مجھکو نہ وہ آشنا جانتا ہے

تظلم سے ہوتی ہے بیداد افزوں
شکایت کو شکر جفا جانتا ہے

گرفتاری غیر کا ذکر مجھ سے
مجھے کسقدر مبتلا جانتا ہے

مجھے اپنی زلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اسکی دوا جانتا ہے

وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہی خرّم
کہ اپنا وہ نشو و نما جانتا ہے

ستمگر کہے سے برا مانتا کیوں
ستم کو اگر وہ بھلا جانتا ہے

کبھی غیر پر جور ہوتے نہ دیکھا
مجھی کو بس اک آزما جانتا ہے

[illegible] کا نہ کھاتا کہ کم عمر ہی وہ
ابھی شیوۂ ناز کیا جانتا ہے

تامل نہ کر قتل میں میرے ہرگز
کہ عاشق کا تو خونبہا جانتا ہے

حذر مجھ سے واجب ہوا شیفتہ اب
مجھے یار بھی پارسا جانتا ہی

فقط یار جور و جفا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے

جو بیگانہ ہے اسنے تجھے خلق کیا غم
اگر آشنا آشنا جانتا ہے

نہ ممنون [illegible] طرّۂ مشکبو کا
نہ الطاف باد صبا جانتا ہے

ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
عجب شیوۂ دلربا جانتا ہے

مری چشم پرنم کا حال اُس سے پوچھو
کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے

شکایت ہمیں شکوہ سے شکر سے ہے
کہ اب وہ جفا کو وفا جانتا ہے

اُسے کنج خلوت کی کیا ہی ضرورت
جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے

بصورت آئینہ بھی متہم ہے
کچھ آئین اہل صفا جانتا ہے

عدو کی رعایت سے مجھکو ستانا
وہ انصاف کا مقتضی جانتا ہے

ہمیں شیفتہ کی نصیحت سے حاصل
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

دیگر

سمجھ لے اور کوئی دن رقیب خوار مجھے
عزیز رکھتے ہیں اب اُنکے رازدار مجھے

شراب عشق ہی کیا دہشت خمار مجھے
جنون شوق ہی کیا حاجت بہار مجھے

اگر کہو کہ تو عاشق نہیں ہے سچ جانوں
تمھاری بات کا ایسا ہی اعتبار مجھے

حصول نام سے دلکو اگر نہو آرام
بہت عزیز نہیں جان بیقرار مجھے

عدو کو رشک ہی ایسا کہ مفت ہیں گویا
ملی ہی جا سے نفس برق شعلہ بار مجھے

عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہی
نہ شوق باغ رہا نے سیر شکار مجھے

ملا عدو کو مے و نغمہ برق و باراں سے
صبا سے خاک ملی اور گل سے خار مجھے

خلاف وعدہ مسلّم وفا سے وعدہ غلط
غرض کچھ اور نہیں غیر انتظار مجھے

خجل ہوں آپ میں ہو وقت اپنے آنے سے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہی رقیب سے صحبت وہی قدح خواری
کیا ہی آپ نے ناحق امیدوار مجھے

جفا کو ترک کرو تم وفا کو میں چھوڑوں
کچھ اشتہار نہیں ہو کچھ اشتہار مجھے

رہی سراپا مکتوم دل ہی میں افسوس
جہان میں نہ ملا کوئی رازدار مجھے

تمام شورش و سر تا قدم شکایت ہوں
نعوذ باللہ اگر وہاں ملے گزار مجھے

ہلاک جلوۂ زیبا خراب بادۂ ناب
تمہارے شیفتہ معلوم ہیں شعار مجھے

دیگر

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے
کہ کس کے وعدے پہ اتنا ہی انتظار مجھے

ہزار شکر کہ اس کی گلی میں چھوڑ گئی
نسیم جان کے اک ناتواں غبار مجھے

یہی گمان ہی رشک ہی اگر تو کبھی
نہ کوئی دوست ملیگا نہ کوئی یار مجھے

جفا سے شحنہ ہی منظور پر نہیں منظور
خلاف شیوۂ رندان بادہ خوار مجھے

عدو کے حق میں پھر آیا وہی زمانۂ عیش
کھلے ہیں بھی سپیال غیر قرار مجھے

جو بادشاہ بلائے تو میں نہیں جاتا
کہ ان دنوں ہیں کسیکا ہی انتظار مجھے

جو شورشیں نہ مچاتا اسیر کیوں ہوتا
خراب تونے کیا جلوۂ بہار مجھے

عدو کے ساتھ بھی آخر جفا ہوئی آغاز
کسی طرح بھی نہ رکھا امید وار مجھے

رفیق ہیں متردد رقیب ہیں فارغ
عزیز رکھتی ہی وہ چشم فتنہ بار مجھے

قفس میں کرتی ہی تحریک بال جنبانی
نوائے دلکش مرغان شاخسار مجھے

لیا ہی تھا نگہ پُر فسوں نے دل لیکن
کیا ادائے تغافل نے ہوشیار مجھے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بڑے فساد اٹھیں **شیفتہ** خدا نہ کرے
کہ اُنکی بزم میں ہو دخل واختیار مجھے

۶۶

سحر گئی جو وہ گلگشت گلستاں کے لیے
صبا تپش میں ہی گلہائے بیخزاں کے لیے

اُنھیں ہی ہم سے محبت عمل کی کیا حاجت
اگر کرو تو کرو اُن کے پاسباں کے لیے

متاع بیش بہا شہر عشق میں ہی وفا
یہ آہ و نالہ ہی آرایش دکاں کے لیے

وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا
جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

ہفرمان ملک کا ہی آسماں پہ دماغ
خزانہ چاہیے قارون کا ارمغاں کے لیے

سحر کے ساتھ ہی آتے ہیں کوے جاناں میں
عدو ہنسی کے لیے اور ہم فغاں کے لیے

کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے

جو بوستاں میں گیا میں ہلاکِ قامتِ یار
قیامت آئے گی شمشادِ بوستاں کے لیے

ہر ایک سے ہوئی قسمت بقدرِ استعداد
خرد ہی پیر کے اور نور ہی جواں کے لیے

غرض یہ ہے کہ مکر جائیں گر پڑے حاجت
کہ مُہر نامہ پہ کرتے نہیں نشاں کے لیے

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی
کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کے لیے

نہ بتکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع
دعا کا حرز ہی اُس آفتِ جہاں کے لیے

متاعِ دانش و دیں کی ضرور ہے تسلیم
کمال بے ادبی ہے سخن اماں کے لیے

زیاں ہے عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر
معاملہ ہی کیا ہوا گر زیاں کے لیے

ہمارے ساتھ ہیں وہ سوشگافیاں کہ نہ پوچھ
یہ نکتہ بس ہے کہ آفت ہے نکتہ داں کے لیے

اثر اگرچہ بنا بھر نہ دلکشِ دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگر فشاں کے لیے

یہ ضبطِ راز کی تعلیم شیفتہ بیجا
زباں ہمکو ملی ہے اگر بیاں کے لیے

65

دیگر

جو کہیے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لیے
نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ امتحاں کے لیے

تمام علتِ درماندگی ہے قلتِ شوق
تپش ہوئی پرِ پروازِ مرغِ جاں کے لیے

سنی اکابرِ دیواں سے آخر آیۂ یاس
غلط تھی پہلی ہی کوشش خطِ اماں کے لیے

پری کشا ہیں رکھے کہ حور زانو پہ
ہمارا سر ہے ترے سنگ آستاں کے لیے

نگاہ لطف ترے دل کے واسطے ہے نسیم
نگاہ خشم تری بند ہے زباں کے لیے

شریک بلبل و قمری ہے وہ زبون فطرت
جو بیقرار رہے سیر گلستاں کے لیے

امید ہے کہ نباہیں گے امتحاں لیکن
جو اسقدر متقاضی ہیں امتحاں کے لیے

نہ خاکیوں سے تعلق نہ قدسیوں سے ربط
نہ ہم زمیں کے لیے ہیں نہ آسماں کے لیے

شب وصال ہے پیغام روز فرقت کا
بہار آئی ہے گلزار میں خزاں کے لیے

پیام دوست ہوا قاصدوں کو وجہ شرف
نسیم مصر سے عزت ہے کارواں کے لیے

قدم بھی ہم کو نہ رکھنے دیا گلستاں میں
ہزار بار قدم ہم نے باغباں کے لیے

ہزار جلوہ رنگیں ہیں اور ہر جلوہ
سواد بحر لیے چشم خونفشاں کے لیے

قفس زمانہ و جاں مرغ و آشیاں ملکوت
قفس میں مرغ ہے بیتاب آشیاں کے لیے

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کے لیے

ہماری نظم میں ہے شیفتہ وہ کیفیت
کہ کچھ رہی نہ حقیقت مئے مغاں کے لیے

افراد

پروانہ وار جلنا دستور ہی ہمارا	اُس شمع رو پہ مرنا مشہور ہی ہمارا

دیگر

آنکھ کل اُس سے لڑا آتا تو لڑائی ہوتی	شگفتہ پر یہ وہ بدلی ہوئی چتون سمجھا

دیگر

غیر پہ پیار کی نظریں ہیں غضب کی ہم پر	نگہ یار میں ہی رنگ گل رعنا کا

دیگر

اُسکی جب آنکھ پھری پھر گئیں اُسکی آنکھیں	شگفتہ مرنے پہ تیار ہی کیا پھرتا تھا

دیگر

کیا جانے گذری غیر پہ کیا اُس کی بزم میں	آئے وہ اس طرح کہ مجھے پیار آگیا

دیگر

ویرانے کی مانند ذرا جی نہیں لگتا
ہرچند کہ ہے شیفتہ دلّی وطن اپنا

دیگر

رقیب پیتے ہیں کس کس طرح سے جام شراب
ہمارے دور میں افسوس احتساب نہیں

دیگر

جوش جنون و پند کی تاثیر دیکھنا
دامن کو ٹانکتا ہوں گریباں کے چاک ہیں

دیگر

ہر شیوے سے ٹپکے ہے ادا ناز تو دیکھو
ہر بات میں اک بات ہے انداز تو دیکھو

دیگر

کہتے ہیں جور و جفا ناز و ادا کہتے ہیں
یہ بھی کیا لوگ ہیں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

دیگر

منت کشِ عتاب پہ الطاف شرط ہے	تنہا ستم نہ کیجئے انصاف شرط ہے

دیگر

ایسی غضب سے کرے قتل گماں کا ہے کو تھا	شیفتہ اُس کو تو لو تم سے محبت نکلی

تمام شد